اس شمارے میں

حرفِ اوّل

تاریخ کا سبق — حافظ عاطف وحید — 2

بیان القرآن

سورۃ البقرۃ (آیات ۱۵۳ تا ۱۷۶) — ڈاکٹر اسرار احمد — 5

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید' مع صرفی ونحوی تشریح — لطف الرحمٰن خان — 23

حکمت نبوی ﷺ

مال وزر — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 33

بحث و نظر

ربا الفضل — مرزا عمران حیدر — 36

علوم القرآن

اسالیب تفسیر قرآن اور نظم ومناسبت (۲) — جواد حیدر — 49

کتاب نما

تعارف وتبصرۂ کتب — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 60

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

21/5/07

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:

حافظ عاطف وحید۔ حافظ محمد زبیر

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ ۔ مئی ۲۰۰۷ء شمارہ ۵

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-5869501

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے

انڈیا: 700 روپے۔ ایشیا، یورپ، افریقہ: 1100 روپے۔ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: 1400 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ کا سبق

تاریخِ اسلام اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر خارج سے کوئی فتنہ حملہ آور ہوا اور حکمران' اہلِ علم اور عوام الناس اپنی اپنی سطح پر اس فتنے کے آگے بند باندھنے سے قاصر رہے تو نتیجتاً بعض طبقات میں ایک معذرت خواہانہ رویہ وجود میں آیا' جس کا لازمی عنصر یہ ہے کہ دینِ اسلام کی ایسی تعبیرات پیش کی جائیں جو ایسے فتنوں کے دفاع میں مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا کر سکیں۔ اس رویے سے بظاہر یہ فائدہ نظر آتا ہے کہ جہاں جہاں اسلامی تعلیمات کے حوالے سے عام آدمی کے لیے علمی اور عملی مشقتیں موجود ہوں وہاں قرآن وسنت کی ایسی تعبیرات وتاویلات کی جائیں کہ عام آدمی کے لیے بدلتے ہوئے حالات میں اسلامی شناخت مشکل مسئلہ نہ رہے۔

بظاہر یہ رویہ عام مسلمان کی ہمدردی اور سہولت کے جذبے پر مبنی ہے اور بسا اوقات بے دینی کی راہ پر گامزن بعض لوگوں کے حق میں مفید بھی ثابت ہو جاتا ہے' لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ تاریخی حقائق ہی کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ آیا اس رویے نے بحیثیت مجموعی اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا ہے یا نقصان' اور کیا ایسی کوشش کو تاریخ میں اسلام کی مثبت خدمت کے طور پر جانا جاتا ہے یا کسی اور شکل میں؟

ہمارے سامنے تابعین کے دور سے آج تک کئی مثالیں موجود ہیں۔ قرنِ اول ہی میں جب عقلیت پسندی کی یلغار ہوئی اور فلسفہ ومنطق نے مسلم ذہن وفکر کو چکا چوند کر دیا تو دفاع میں ایک زبردست علمی تحریک نے جنم لیا۔ یہ تحریک 'معتزلہ کی تحریک تھی جس نے نہایت آن بان کے ساتھ عقل ومنطق کی سطح پر دفاعِ اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ آغاز میں اس تحریک کو بظاہر جو کامیابی نصیب ہوئی وہ کسی بیان کی محتاج نہیں' لیکن جب اسی عقلیت پسندی اور حجیتِ عقل نے بعض مسلّمہ عقائدِ دینی کی ماہیت بدل دی تو حق پرست اہلِ علم کو ہوش آیا اور بالآخر انہیں اُسی تحریکِ اعتزال کے خلاف صف آرا ہونا پڑا جو طویل عرصہ تک دفاعِ اسلام کی جنگ لڑتی رہی۔ حتیٰ کہ یہی تحریکِ اعتزال اسلام کے اصل دھارے (mainstream) سے منحرف گروہ قرار پائی۔

ہندوستان میں جب ہمہ اوستی نظریات کا فروغ ہوا تو وحدت الوجود کی آڑ میں بعض باطل عقائد کے ذریعے ان نظریات سے اسلام کے دفاع کی کوششوں نے دینی عقائد کا حلیہ بگاڑ دیا اور پھر دینِ اکبری کا' جو بظاہر مثبت جذبے اور معتدل رویوں کا شاخسانہ تھا' انتہائی خیر خواہانہ انداز میں بعض چوٹی کے اہلِ علم کی سرپرستی میں فروغ اسی معذرت خواہانہ رویے کی نمایاں مثالیں ہیں۔ اسی طرح انگریزوں کی علمی' سائنسی اور انتظامی برتری نے سرسید احمد خان جیسے مخلص اور دیندار انسان کو عقیدہ وعمل کی ایسی راہوں پر گامزن کر دیا جس نے شاید بعض مسلمانوں کو تو 'کچھ 'خیر' پہنچایا ہو' اسلام کو کئی شدید صدمات سے دوچار کر دیا۔

اب اسی نوع کا معاملہ 9/11 کے حادثے کے بعد درپیش ہے۔ مغرب کا الزام ہے کہ اسلام غیر معتدل' تشدد پسند اور حقوقِ انسانی کا مخالف 'مذہب' ہے۔ اور یہی نہیں' انہیں اسلام کا سب سے بڑا 'جرم' یہ نظر آتا ہے کہ اسلام جہاد وقتال کے لیے سرگرم اور نفاذِ شریعت کے ضمن میں قدامت پسند بلکہ ناقابلِ قبول نظریات کا حامل ہے۔ ایسے میں 'مہذب' دنیا کے لیے اسلام کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت (compromise) کا کیا امکان ہے؟ اس کڑے وقت میں مسلمانوں سے 'ہمدردی' کے جذبے سے سرشار بعض علمی تحریکات نے سر اُٹھایا ہے اور اُن تمام قابلِ اعتراض باتوں پر علمی موشگافیوں کے ذریعے دیگر اقوام و مذاہبِ عالم پر یہ ظاہر کرنے کی سعی کی جا رہی ہے کہ دنیا کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے' اسلام اور سیکولرزم میں کوئی تصادم نہیں ہے...... جہاد وقتال بطور دینی فریضہ اول تو قرنِ اوّل ہی کا خاص معاملہ تھا اور اگر آج ضرورت پیش آئے بھی تو اس کی شرائط اتنی کڑی ہیں کہ عملاً اس کی نوبت نہیں آسکے گی...... مخلوط معاشرت اگر ''نیک نیتی'' سے ہو تو اسلام میں ممنوع نہیں...... علمائے کرام کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نفاذِ اسلام کے لیے حکومتِ وقت پر دباؤ ڈالیں' ہاں اربابِ حکومت سے نیازمندانہ استدعا ضرور کی جاسکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چند روز قبل ایسی ہی 'علمی تحریک' سے وابستہ ایک نوجوان سے گفت وشنید کا موقع ملا تو یہ بات ہمارے سامنے واضح ہوئی کہ مسلّماتِ دینیہ کے خلاف خم ٹھونک کر میدان میں اترنے کے پیچھے اصل جذبہ وہی معذرت خواہانہ رویہ ہے جو یہاں اس صورت میں ظاہر ہوا ہے کہ ''آج کی پڑھی لکھی نوجوان نسل دین سے برگشتہ اور بدظن ہے اور ہماری تعبیرات اور تشریحات نے اس نسل میں دین کے ساتھ وابستگی کو ممکن بنا دیا ہے''۔

ہم ان کے ہمدردانہ جذبات کی قدر کرتے ہیں اور بس اس قدر گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ تاریخ کے سبق کو کبھی مت بھولیں۔ دین تو نام ہی ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ'' کا

ہے۔شریعت کے تقاضوں کو سر سے اتار کر اگر ہم نام کے مسلمان رہ بھی گئے تو کس کام کے؟ لہٰذا ہم دست بستہ عرض گزار ہیں کہ اسلام کو لوگوں کی خواہشات کے مطابق بنانے کی بجائے لوگوں کو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی طرف راغب کیا جائے۔اسی میں ہم سب کی خیریت ہے!!

قرآن حکیم اور مقامِ رسالت

قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ قدسی کو اپنا موضوعِ سخن بنا کر مخالفین کا منہ بند کر دیا ہے۔آنحضرت ﷺ پریشانِ خاطر ہوتے ہیں تو قرآن آپؐ کو تسلی دیتا ہے۔آپؐ وحی کے انتظار میں گھڑیاں گنتے ہیں اور بار بار سر آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں تو قرآن اسی کو اپنا موضوع ٹھہراتا ہے۔آپ ﷺ کے ابتدائی حالات کی محنت و مشقت ہو یا زندگی کے اختتامی دَور کی فتح و کامرانی' قرآن نے دونوں کو اپنے سینہ اطہر میں ''بین الدّفتین'' جگہ دی۔پیغمبر ﷺ باطل قوتوں کے خلاف جنگ کے لیے نکلتے ہیں اور جنگ بدر میں فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں تو بادشاہِ ارض وسما اس پر پوری پوری سورتیں نازل کرتا ہے۔پیغمبر ﷺ کو جنگ میں چوٹ لگتی ہے تو قرآن اپنی آیات کو اس کے لیے وقف کر دیتا ہے' علیٰ ہذا القیاس۔پیغمبر ﷺ میدانِ بدر میں ریت یا کنکریاں پھینکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو اپنا عمل قرار دیتا ہے۔پیغمبر ﷺ صلح حدیبیہ کے موقع پر مجاہدین صف شکن سے موت پر بیعت لیتے ہیں تو خدا پیغمبر ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والوں کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے کی خوشخبری اور اس بیعت کو بیعت رضوان بنانے کی بشارت سناتا ہے۔ایک بدوقبیلہ پیغمبر ﷺ کو ان کے حجرے کے باہر سے سخت آواز میں بلاتا ہے تو قرآن ان کو 'حبط اعمال' کی وعید سناتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس بارگاہِ ناز میں انہیں ادب و احترام سے آنا اور پیغمبر ﷺ کو آہستگی سے پکارنا چاہیے' ورنہ سب اعمال اکارت ہو جائیں گے۔پیغمبر ﷺ کی بعض ازواجِ مطہرات سے پیغمبر ﷺ کو شکایت ہوتی ہے تو اللہ کی کتاب' جبرئیلؑ' فرشتوں اور تمام اہل ایمان کو آپؐ کی تائید و حمایت میں لاکھڑا کرتی ہے۔یہ سلسلہ مکّہ میں نبوت ملنے سے شروع ہوا اور ''حجۃ الوداع'' کے تکمیل دین کے موقع تک یکساں طریقے سے جاری وساری رہا۔قرآن مجید سے آنحضرت ﷺ کا جو مقام و مرتبہ متعین ہوتا ہے وہ بقول شاعر مشرق علامہ اقبال یہ ہے ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است!

(ڈاکٹر محمود الحسن عارف)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۱۵۳تا ۱۶۳

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ
الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ
وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ
اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِکَ
عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ
الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ
الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ
فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا
وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾
اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ
یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾﴾

سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع سے اب اُمت مسلمہ سے براہِ راست خطاب ہے۔ اس سے قبل اس اُمت کی غرضِ تاسیس بایں الفاظ بیان کی جا چکی ہے: ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ (آیت ۱۴۳) ''تا کہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسولؐ تم پر گواہی دینے والا بنے''۔ گویا اب تم ہمیشہ ہمیش کے لیے محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور نوعِ انسانی کے درمیان واسطہ ہو۔ ایک حدیث میں علماء حق کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ((اِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ))(۱) ''یقیناً علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں''۔ اس لیے کہ اب نبوت تو ختم ہو گئی خاتم المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ پر' لیکن یہ آخری کتاب قیامت تک رہے گی' اس کو پہنچانا ہے' اس کو عام کرنا ہے' اور صرف تبلیغ سے نہیں عمل کر کے دکھانا ہے۔ وہ نظام عملاً قائم کر کے دکھانا ہے جو محمدِ عربی ﷺ نے قائم کیا تھا' تب حجت قائم ہو گی۔ اس کے لیے تمہیں قربانیاں دینی ہوں گی' مشکلات جھیلنی ہوں گی' جان و مال کا نقصان برداشت کرنا ہو گا۔ آرام سے گھر بیٹھے' ٹھنڈے پیٹوں حق نہیں آ جائے گا' کفر اس طرح جگہ نہیں چھوڑے گا۔ کفر کو ہٹانے کے لیے' باطل کو ختم کرنے کے لیے اور حق کو قائم کرنے کے لیے تمہیں تن من دھن لگانے ہوں گے۔ چنانچہ اب پکار آ رہی ہے:

آیت ۱۵۳ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ﴾ ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو۔''

پانچویں رکوع کی سات آیات کو میں نے بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں بمنزلۂ فاتحہ قرار دیا تھا۔ وہاں پر یہ الفاظ آئے تھے: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ ''اور مدد چاہو صبر اور نماز سے' اور یقیناً یہ بھاری چیز ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو ڈرنے والے ہیں' جو گمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔ اب یہی بات اہل ایمان سے کہی جا رہی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب العلم قبل القول والعمل۔ وسنن الترمذی' کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب العلم' باب الحث علی طلب العلم۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''جان لو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی معیت سے کیا مراد ہے! ایک بات تو متفق علیہ ہے کہ اللہ کی مدد' اللہ کی تائید' اللہ کی نصرت ان کے شامل حال ہے۔ باقی یہ کہ جہاں کہیں بھی ہم ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کی کیفیت ہم نہیں جانتے' لیکن خود اس کا فرمان ہے کہ ''ہم تو انسان سے اُس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں''۔ (ق:١٦)

آیت ١٥٤ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ﴾ ''اور مت کہو اُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔''

اب پہلے ہی قدم پر اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی بات آ گئی ع ''شرطِ اوّل قدم ایں است کہ مجنوں باشی!'' ایمان کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ جانیں دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

﴿بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ ''(وہ مردہ نہیں ہیں) بلکہ زندہ ہیں' لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں ان کو جنت میں داخلہ کے لیے یومِ آخرت تک انتظار نہیں کرنا ہوگا' شہداء کو تو اُسی وقت براہِ راست جنت میں داخلہ ملتا ہے' لہٰذا وہ تو زندہ ہیں۔ یہی مضمون سورۂ آل عمران میں اور زیادہ نکھر کر سامنے آئے گا۔

آیت ١٥٥ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ﴾ ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے''

دیکھو' جس راہ میں تم نے قدم رکھا ہے یہاں اب آزمائشیں آئیں گی' تکلیفیں آئیں گی۔ رشتہ دار ناراض ہوں گے' شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق ہوگی' اولاد والدین سے جدا ہوگی' فساد ہوگا' فتور ہوگا' تصادم ہوگا' جان و مال کا نقصان ہوگا۔ ہم خوف کی کیفیت سے بھی تمہاری آزمائش کریں گے اور بھوک سے بھی۔ چنانچہ صحابہ کرام ؓ نے کیسی کیسی سختیاں جھیلیں اور کئی کئی روز کے فاقے برداشت کیے۔ غزوۂ احزاب میں کیا حالات پیش آئے ہیں! اس کے بعد جیش العسرۃ (غزوۂ تبوک) میں کیا کچھ ہوا ہے!

﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ﴾ ''اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے۔''

مالی اور جانی نقصان بھی ہوں گے اور ثمرات کا نقصان بھی ہوگا۔ ''ثمرات'' یہاں دو معنی دے رہا ہے۔ مدینہ والوں کی معیشت کا دارومدار زراعت اور باغبانی پر تھا۔ خاص طور پر کھجور ان کی پیداوار تھی' جسے آج کی اصطلاح میں cash crop کہا جائے گا۔ اب ایسا بھی ہوا کہ فصل پک کر تیار کھڑی ہے اور اگر اسے درختوں سے اتارا نہ گیا تو ضائع ہو جائے گی' اُدھر سے غزوۂ تبوک کا حکم آ گیا کہ نکلو اللہ کی راہ میں! تو یہ امتحان ہے ثمرات کے نقصان کا۔ اس کے علاوہ ثمرات کا ایک اور مفہوم ہے۔ انسان بہت محنت کرتا ہے' جدوجہد کرتا ہے' ایک کیریئر اپناتا ہے اور اس میں اپنا ایک مقام بنا لیتا ہے۔ لیکن جب وہ دین کے راستے پر آتا ہے تو کچھ اور ہی شکل اختیار کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ اپنی تجارت کے جمانے میں یا کسی پروفیشن میں اپنا مقام بنانے میں اُس نے جو محنت کی تھی وہ سب کی سب صفر ہو کر رہ جاتی ہے' اور اپنی محنت کے ثمرات سے بالکل تہی دامن ہو کر اسے اس وادی میں آنا پڑتا ہے۔

﴿ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''اور (اے نبیؐ) بشارت دیجیے ان صبر کرنے والوں کو۔''

آیت ۱۵۶ ﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ ''وہ لوگ کہ جن کو جب بھی کوئی مصیبت آئے''

﴿قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ ''تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف ہمیں لوٹ جانا ہے۔''

آخر کار تو یہاں سے جانا ہے' اگر کل کی بجائے ہمیں آج ہی بلا لیا جائے تب بھی حاضر ہیں۔ بقول اقبال:

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

یعنی مردِ مؤمن کی تو نشانی ہی یہی ہے کہ جب موت آتی ہے تو مسرت کے ساتھ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ وہ دنیا سے مسکراتا ہوا رخصت ہوتا ہے۔ یہ ایمان کی علامت ہے اور بندۂ مؤمن اس دنیا میں زیادہ دیر تک رہنے کی خواہش نہیں کر سکتا۔ اسے معلوم ہے کہ وہ دنیا میں جو لمحہ بھی گزار رہا ہے اسے اس کا حساب دینا ہوگا۔ تو جتنی عمر بڑھ رہی ہے حساب بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ حدیث میں دنیا کو مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت قرار دیا گیا

ہے:((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ)) (۱)

آیت ۱۵۷ ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ﴾ ''یہی ہیں وہ لوگ کہ جن پر اُن کے رب کی عنایتیں ہیں اور رحمت۔''

ان پر ہر وقت اللہ کی عنایتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے اور رحمت کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ ''اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے واقعتاً ہدایت کو اختیار کیا ہے۔ اور جو ایسے مرحلے پر ٹھٹھک کر کھڑے رہ جائیں، پیچھے ہٹ کر بیٹھ جائیں، پیٹھ موڑ لیں تو گویا وہ ہدایت سے تہی دامن ہیں۔

آیت ۱۵۸ ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ ''یقیناً صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔''

یہ آیت اصل سلسلۂ بحث یعنی قبلہ کی بحث سے متعلق ہے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ حج کے مناسک میں یہ جو صفا اور مروہ کی سعی ہے تو اس کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا کہ یہ بھی اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ شعائر، شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو شعور بخشے، جو کسی حقیقت کا احساس دلانے والی اور اس کا مظہر اور نشان ہو۔ چنانچہ وہ مظاہر جن کے ساتھ اولوالعزم پیغمبروں یا اولوالعزم اولیاء اللہ کے حالات و واقعات کا کوئی ذہنی سلسلہ قائم ہوتا ہو اور جو اللہ اور رسولؐ کی طرف سے بطور ایک نشان اور علامت مقرر کیے گئے ہوں شعائر کہلاتے ہیں۔ وہ گویا بعض معنوی حقائق کا شعور دلانے والے اور ذہن کو اللہ کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے بیت اللہ، حجر اسود، جمرات اور صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہیں۔

﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ ''تو جو کوئی بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے کہ ان دونوں کا طواف بھی کرے۔''

صفا و مروہ کے طواف سے مراد وہ سعی ہے جو ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات چکروں کی صورت میں کی جاتی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق۔ وسنن الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء ان الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر۔

﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ ''اور جو شخص خوش دلی سے کوئی بھلائی کا کام کرتا ہے''
﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾﴾ ''تو (جان لو کہ) اللہ بڑا قدر دان ہے' جاننے والا ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''شاکر'' آیا ہے۔ لفظ شکر کی نسبت جب بندے کی طرف ہو تو اس کے معنی شکر گزاری اور احسان مندی کے ہوتے ہیں' لیکن جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی قدر دانی اور قبول کرنے کے ہو جاتے ہیں۔ ''شاکر'' کے ساتھ دوسری صفت ''علیم'' آئی ہے کہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ چاہے کسی اور کو پتا نہ لگے اسے تو خوب معلوم ہے۔ اگر تم نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے کسی کو کوئی مالی مدد دی ہے' اس حال میں کہ داہنے ہاتھ نے جو کچھ دیا ہے اس کی بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہونے دی' کجا یہ کہ کسی اور انسان کے سامنے اس کا تذکرہ ہو' تو یہ اللہ کے تو علم میں ہے' چنانچہ اگر اللہ سے اجر وثواب چاہتے ہو تو اپنی نیکیوں کا ڈھنڈورا پیٹنے کی کوئی ضرورت نہیں' لیکن اگر تم نے یہ سب کچھ لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا تھا تو گویا وہ شرک ہو گیا۔

آیت ۱۵۹ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اُس شے کو جو ہم نے نازل کی بیّنات میں سے اور ہدایت میں سے''
﴿مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ﴾ ''بعد اس کے کہ ہم نے اس کو واضح کر دیا ہے لوگوں کے لیے کتاب میں''
﴿اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿١٥٩﴾﴾ ''تو وہی لوگ ہیں کہ جن پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں تمام لعنت کرنے والے۔''

اس آیت میں یہود کی طرف اشارہ ہے' جن کی معاندانہ روش کا ذکر پہلے گزر چکا۔ یہاں اب گویا آخری قطعی صفائی (mopping up operation) کے طور پر ان کے بارے میں چند باتوں کا مزید اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں بینات اور ہدیٰ سے خاص طور پر وہ نشانیاں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تورات میں نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں یہود کی راہنمائی کے لیے واضح فرمائی تھیں۔ لیکن یہود نے ان نشانیوں سے راہنمائی حاصل کرنے کے بجائے ان کو چھپانے کی کوشش کی۔ آیت ۱۴۰ میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ﴾ ''اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے ایک گواہی تھی جسے اُس نے چھپالیا''۔ یہاں اسی کی وضاحت ہو رہی ہے کہ تورات اور انجیل میں کیسی کیسی کھلی شہادتیں تھیں' اور ان کو یہ چھپائے پھر رہے ہیں!

آیت ۱۶۰ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا﴾ ''سوائے ان کے جو توبہ کریں اور اصلاح کرلیں اور (جو کچھ چھپاتے تھے اسے) واضح طور پر بیان کرنے لگیں''

﴿فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ج﴾ ''تو ان کی توبہ میں قبول کروں گا۔''

میں اپنی نگاہِ التفات ان کی طرف متوجہ کردوں گا۔

﴿وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾﴾ ''اور میں تو ہوں ہی توبہ کا قبول کرنے والا' رحم فرمانے والا۔''

آیت ۱۶۱ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اسی حال میں مر گئے کہ کفر پر قائم تھے''

﴿اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾﴾ ''ان پر لعنت ہے اللہ کی بھی اور فرشتوں کی بھی اور تمام انسانوں کی بھی۔''

آیت ۱۶۲ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ج﴾ ''اسی (لعنت کی کیفیت) میں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

﴿لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ﴾ ''نہ ان پر سے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی''

﴿وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾﴾ ''اور نہ ان کو مہلت ہی ملے گی۔''

عذاب کا تسلسل ہمیشہ قائم رہے گا۔ ایسا نہیں ہوگا کہ ذرا سی دیر کے لیے وقفہ ہو جائے یا سانس لینے کی مہلت ہی مل جائے۔

آیت ۱۶۳ ﴿وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ج﴾ ''اور تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے۔''

﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾﴾ ''اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے' وہ رحمٰن ہے' رحیم ہے۔''

رحمٰن اور رحیم کی وضاحت سورۃ الفاتحہ میں گزر چکی ہے۔

آیات ۱۶۴ تا ۱۶۷

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾﴾

اب جو آیت آ رہی ہے اس کے مطالعہ سے پہلے ایک بات سمجھ لیجیے کہ سورۃ البقرۃ کا نصف ثانی جو بائیس رکوعوں پر مشتمل ہے اور جس کا آغاز انیسویں رکوع سے ہوا ہے' اس میں ترتیب کیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کے پہلے اٹھارہ رکوعوں کی تقسیم عمودی (verticle) ہے۔ یعنی چار رکوع اِدھر' دس درمیان میں' پھر چار اُدھر۔ لیکن انیسویں رکوع سے اب افقی (horizontal) تقسیم کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس حصے میں چار مضامین تانے بانے کی طرح بُنے ہوئے ہیں۔ یا یوں کہہ لیں کہ چار لڑیاں ہیں جن کو بٹ کر رسّی بنا دیا گیا ہے۔ ان چار میں سے دو لڑیاں تو شریعت کی ہیں' جن میں سے ایک عبادات کی اور دوسری احکام و شرائع کی ہے کہ یہ واجب ہے' یہ کرنا ہے' یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ نماز فرض ہے' روزہ فرض ہے' وغیرہ وغیرہ۔ احکام و شرائع میں خاص طور پر شوہر اور بیوی کے تعلق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس لیے کہ معاشرتِ انسانی کی بنیاد یہی ہے۔ لہٰذا اس سورت میں آپ دیکھیں گے کہ عائلی قوانین کے ضمن میں تفصیلی احکام آئیں گے۔ جبکہ دوسری دو لڑیاں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس

کی ہیں۔ جہاد بالنفس کی آخری انتہا قتال ہے جہاں انسان نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ کارزار میں حاضر ہو جاتا ہے۔

اب ان چاروں مضامین یا چاروں لڑیوں کو ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔ فرض کیجیے ایک سرخ لڑی ہے‘ ایک پیلی ہے‘ ایک نیلی ہے اور ایک سبز ہے‘ اور ان چاروں لڑیوں کو ایک رسّی کی صورت میں بٹ دیا گیا ہے۔ آپ اس رسّی کو دیکھیں گے تو چاروں رنگ کٹے پھٹے نظر آئیں گے۔ پہلے سرخ‘ پھر پیلا‘ پھر نیلا اور پھر سبز نظر آئے گا۔ لیکن اگر رسّی کے بل کھول دیں تو ہر لڑی مسلسل نظر آئے گی۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کے نصف آخر میں عبادات‘ احکامِ شریعت‘ جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کے چار مضامین چار لڑیوں کی مانند گتھے ہوئے ہیں۔ یہ چاروں لڑیاں تانے بانے کی طرح بنی ہوئی ہیں۔ لیکن اسی بُنتی میں بہت بڑے بڑے پھول موجود ہیں۔ یہ پھول قرآن مجید کی عظیم ترین اور طویل آیات ہیں‘ جن کی نمایاں ترین مثال آیت الکرسی کی ہے۔ ان عظیم آیات میں سے ایک آیت یہاں بیسویں رکوع کے آغاز میں آ رہی ہے‘ جسے میں نے ''آیت الآیات'' کا عنوان دیا ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی کسی اور آیت میں اس قدر مظاہر فطرت (phenomena of nature) یکجا نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مظاہر فطرت کو اپنی آیات قرار دیتا ہے۔ آسمان اور زمین کی تخلیق‘ رات اور دن کا اُلٹ پھیر‘ آسمان کے ستارے اور زمین کی نباتات‘ یہ سب آیات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے‘ لیکن یہاں بہت سے مظاہر فطرت کو جس طرح ایک آیت میں سمویا گیا ہے یہ حکمتِ قرآنی کا ایک بہت بڑا پھول ہے جو ان چار لڑیوں کی بُنتی کے اندر آ گیا ہے۔

آیت ۱۶۴ ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں''

﴿وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ﴾ ''اور اُن کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں (یا دریاؤں میں) لوگوں کے لیے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں''

﴿وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ﴾ ''اور اُس پانی میں کہ جو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے''

﴿فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا﴾ ''پھر اس سے زندگی بخشی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد''

بے آب و گیاہ زمین پڑی تھی' بارش ہوئی تو اسی میں سے روئیدگی آ گئی۔

﴿وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ ''اور ہر قسم کے حیوانات (اور چرند پرند) اس کے اندر پھیلا دیے۔''

﴿وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ﴾ ''اور ہواؤں کی گردش میں''

ہواؤں کی گردش کے مختلف انداز اور مختلف پہلو ہیں۔ کبھی شمالاً جنوباً چل رہی ہے' کبھی مشرق سے آ رہی ہے' کبھی مغرب سے آ رہی ہے۔ اس گردش میں بڑی حکمتیں کارفرما ہیں۔

﴿وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ''اور ان بادلوں میں جو معلق کر دیے گئے ہیں آسمان اور زمین کے درمیان''

﴿لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ﴾ ''یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

ان مظاہر فطرت کو دیکھو اور ان کے خالق اور مدبر کو پہچانو! ان آیاتِ آفاقی پر غور و فکر اور ان کے خالق کو پہچاننے کا جو عملی نتیجہ نکلنا چاہیے اور جس تک عام طور پر لوگ نہیں پہنچ پاتے اب اگلی آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔ نتیجہ تو یہ نکلنا چاہیے کہ پھر محبوب اللہ ہی ہو' شکر اسی کا ہو' اطاعت اسی کی ہو' عبادت اسی کی ہو۔ جب سورج میں اپنا کچھ نہیں' اسے اللہ نے بنایا ہے اور اسے حرارت عطا کی ہے' چاند میں کچھ نہیں' ہوائیں چلانے والا بھی وہی ہے تو اور کسی شے کے لیے کوئی شکر نہیں' کوئی عبادت نہیں' کوئی ڈنڈوت نہیں' کوئی سجدہ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی مطلوب و مقصود بن جائے' وہی محبوب ہو۔ لَا مَحۡبُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ' لَا مَقۡصُوۡدَ اِلَّا اللّٰهُ' لَا مَطۡلُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ——— جن لوگوں کی یہاں تک رسائی نہیں ہو پاتی وہ کسی اور شے کو اپنا محبوب و مطلوب بنا کر اس کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ خدا تک نہیں پہنچے تو ع ''اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں'' کے مصداق اپنے نفس ہی کو معبود بنا لیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی میں لگ گئے۔ کچھ لوگوں نے اپنی قوم کو معبود بنا لیا اور قوم کی برتری اور سربلندی کے لیے جانیں بھی دے رہے ہیں۔ بعض نے وطن کو معبود بنا لیا۔ اس حقیقت کو علامہ اقبال نے سمجھا ہے کہ اس دور کا سب سے بڑا بت وطن ہے۔ ان کی نظم ''وطنیت'' ملاحظہ کیجیے: ؎

اِس دَور میں مے اور ہے' جام اور ہے' جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اگلی آیت میں تمام معبودانِ باطل کی نفی کر کے ایک اللہ کو اپنا محبوب اور مطلوب و مقصود بنانے کی دعوت دی گئی ہے۔

آیت ۱۶۵ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا﴾ ''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر کچھ اور چیزوں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بنا دیتے ہیں''

﴿يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ ''وہ ان سے ایسی محبت کرنے لگتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے۔''

یہ دراصل ایک فلسفہ ہے کہ ہر باشعور انسان کسی شے کو اپنا آئیڈیل' نصب العین یا آدرش ٹھہراتا ہے اور پھر اس سے بھرپور محبت کرتا ہے' اس کے لیے جیتا ہے' اس کے لیے مرتا ہے' قربانیاں دیتا ہے' ایثار کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی قوم کے لیے' کوئی وطن کے لیے اور کوئی خود اپنی ذات کے لیے قربانی دیتا ہے۔ لیکن بندۂ مؤمن یہ سارے کام اللہ کے لیے کرتا ہے۔ وہ اپنا مطلوب و مقصود اور محبوب صرف اللہ کو بناتا ہے۔ وہ اُسی کے لیے جیتا ہے' اُسی کے لیے مرتا ہے۔ ﴿اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانعام) ''بے شک میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔ اس کے برعکس عام انسانوں کا معاملہ یہی ہوتا ہے کہ:

می تراشد فکر ما ہر دم خداوندے دگر
رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر

انسان اپنے ذہن سے معبود تراشتا رہتا ہے' ان سے محبت کرتا ہے اور ان کے لیے قربانیاں دیتا ہے۔ یہ مضمون سورۃ الحج کے آخری رکوع میں زیادہ وضاحت کے ساتھ آئے گا۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ''اور جو لوگ واقعتاً صاحب ایمان ہوتے ہیں

ان کی شدید ترین محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔"

ع گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں! یہ گویا لٹمس ٹیسٹ ہے۔ کوئی شے اگر اللہ سے بڑھ کر محبوب ہو گئی تو وہ تمہاری معبود ہے۔ تم نے اللہ کو چھوڑ کر اُس کو اپنا معبود بنا لیا' چاہے وہ دولت ہی ہو۔ حدیث نبویؐ ہے: ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ))[1] "ہلاک اور برباد ہو جائے درہم و دینار کا بندہ"۔ نام خواہ عبدالرحمٰن ہو' حقیقت میں وہ عبدالدینار ہے۔ اس لیے کہ وہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ دینار آنا چاہیے' خواہ حرام سے آئے یا حلال سے' جائز ذرائع سے آئے یا ناجائز ذرائع سے۔ چنانچہ اس کا معبود اللہ نہیں' دینار ہے۔ ہندو نے لکشمی دیوی کی مورتی بنا کر اسے پوجنا شروع کر دیا کہ یہ لکشمی دیوی اگر ذرا مہربان ہو جائے گی تو دولت کی ریل پیل ہو جائے گی۔ ہم نے اس درمیانی واسطے کو بھی ہٹا کر براہِ راست ڈالر اور پیٹرو ڈالر کو پوجنا شروع کر دیا اور اس کی خاطر اپنے وطن اور اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہاں کتنے ہی لوگ سسک سسک کر مر جاتے ہیں اور آخری لمحات میں ان کا بیٹا یا بیٹی ان کے پاس موجود نہیں ہوتا بلکہ دیارِ غیر میں ڈالر کی پوجا میں مصروف ہوتا ہے۔

﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ﴾ "اور اگر یہ ظالم لوگ اُس وقت کو دیکھ لیں جب یہ دیکھیں گے عذاب کو' تو (ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ) قوت تو ساری کی ساری اللہ کے پاس ہے"

یہاں ظلم شرک کے معنی میں آیا ہے اور ظالم سے مراد مشرک ہیں۔

﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ﴾ "اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔"

اُس وقت آنکھ کھلے گی تو کیا فائدہ ہوگا؟ اب آنکھ کھلے تو فائدہ ہے۔

آیت ۱۶۶ ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا﴾ "اُس وقت وہ لوگ جن کی (دنیا میں) پیروی کی گئی تھی اپنے پیرووں سے اظہارِ براءت کریں گے"

ہر انسانی معاشرے میں کچھ ایسے لوگ ضرور ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں' چاہے اربابِ اقتدار ہوں' چاہے مذہبی مسندوں کے والی ہوں۔ لوگ انہیں اپنے پیشوا اور راہنما مان کر ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی ہر سچی جھوٹی بات پر سرِ تسلیم خم کرتے

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله۔ وسنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب فی المكثرین۔

ہیں۔جب عذابِ آخرت ظاہر ہو گا تو یہ پیشوا اور راہنما اس عذاب سے بچانے میں اپنے پیروؤں کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور ان سے صاف صاف اظہارِ براءت اور اعلانِ لاتعلقی کر دیں گے۔

﴿وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴾ ''اور وہ عذاب سے دوچار ہوں گے اور ان کے تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔''

جب جہنم ان کی نگاہوں کے سامنے آ جائے گی تو تمام رشتے منقطع ہو جائیں گے۔سورۂ عبس میں اس نفسا نفسی کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝﴾ ''اُس روز آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے' اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے' اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے۔ان میں سے ہر شخص پر اُس دن ایسا وقت آ پڑے گا کہ اُسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا''۔اسی طرح سورۃ المعارج میں فرمایا گیا ہے: ﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُئْوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝﴾ ''مجرم چاہے گا کہ اُس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو' اپنی بیوی کو' اپنے بھائی کو' اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا' اور روئے زمین کے سب انسانوں کو فدیہ میں دے دے اور یہ تدبیر اسے نجات دلا دے''۔ یہاں فرمایا: ﴿تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴾ ''ان کے سارے رشتے منقطع ہو جائیں گے'' یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ جن رشتوں کی وجہ سے ہم حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رہے ہیں' جن کی دلجوئی کے لیے حرام کی کمائی کرتے ہیں اور جن کی ناراضی کے خوف سے دین کے راستے پر آگے نہیں بڑھ رہے ہیں' یہ سارے رشتے اسی دنیا تک محدود ہیں اور اُخروی زندگی میں یہ کچھ کام نہ آئیں گے۔

آیت ۱۶۷ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً﴾ ''اور جو اُن کے پیروکار تھے وہ کہیں گے کہ اگر کہیں ہمیں دنیا میں ایک بار لوٹنا نصیب ہو جائے''

﴿فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا﴾ ''تو ہم بھی ان سے اسی طرح اظہارِ براءت کریں گے جیسے آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں۔''

﴿كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ﴾ ''اس طرح اللہ ان کو ان

کے اعمال حسرتیں بنا کر دکھائے گا۔"

وہ کہیں گے کاش ہم نے سمجھا ہوتا' کاش ہم نے ان کی پیروی نہ کی ہوتی' کاش ہم نے ان کو اپنا لیڈر اور اپنا ہادی و رہنما نہ مانا ہوتا!!

﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ "لیکن وہ اب آگ سے نکلنے والے نہیں ہوں گے۔" اب ان کو دوزخ سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا۔

آیات ۱۶۸ تا ۱۷۶

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَي النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝﴾

آیت ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ "اے لوگو!

زمین میں جو کچھ حلال اور طیب ہے اسے کھاؤ''

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ﴾ ''اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔''

﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ ''یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یہ بحث دراصل سورۃ الانعام میں زیادہ وضاحت سے آئے گی۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ بتوں کے نام پر کوئی جانور چھوڑ دیتے تھے' جس کو ذبح کرنا وہ حرام سمجھتے تھے۔ ایسی روایات ہندوؤں میں بھی تھیں جنہیں ہم نے بچپن میں دیکھا ہے۔ مثلاً کوئی سانڈ چھوڑ دیا' کسی کے کان چیر دیے کہ یہ فلاں بت کے لیے یا فلاں دیوی کے لیے ہے۔ ایسے جانور جہاں چاہیں منہ ماریں' انہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ظاہر ہے ان کا گوشت کیسے کھایا جا سکتا تھا! تو عرب میں بھی یہ رواج تھے اور ظہورِ اسلام کے بعد بھی ان کے کچھ نہ کچھ اثرات ابھی باقی تھے۔ آباء و اَجداد کی رسمیں جو قرنوں سے چلی آ رہی ہوں وہ آسانی سے چھوٹتی نہیں ہیں' کچھ نہ کچھ اثرات رہتے ہیں۔ جیسے آج بھی ہمارے ہاں ہندوانہ اثرات موجود ہیں۔ تو ایسے لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ مشرکانہ توہمات کی بنیاد پر تمہارے مشرک باپ دادا نے اگر کچھ چیزوں کو حرام ٹھہرا لیا تھا اور کچھ کو حلال قرار دے لیا تھا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ تم شیطان کی پیروی میں مشرکانہ توہمات کے تحت اللہ تعالیٰ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حرام مت ٹھہراؤ۔ جو چیز بھی اصلاً حلال اور پاکیزہ و طیب ہے اسے کھاؤ۔

آیت ۱۶۹ ﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ﴾ ''وہ (شیطان) تو بس تمہیں بدی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے''

﴿وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور اس کا کہ تم اللہ کی طرف وہ باتیں منسوب کرو جن کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں ہے۔''

آیت ۱۷۰ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس کی جو اللہ نے نازل کیا ہے''

﴿قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ﴾ ''وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو پیروی کریں گے اُس طریقے کی جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے۔''

﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ ''اگرچہ ان کے آباء

واَجداد نہ کسی بات کو سمجھ پائے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوئے ہوں (پھر بھی وہ اپنے آباء واَجداد ہی کی پیروی کرتے رہیں گے؟)"

سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع کی پہلی آیت (جہاں نوعِ انسانی کو خطاب کر کے عبادتِ ربّ کی دعوت دی گئی) کے ضمن میں وضاحت کی گئی تھی کہ جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی تو مخلوق تھے جیسے تم مخلوق ہو' جیسے تم سے خطا ہو سکتی ہے ان سے بھی ہوئی' جیسے تم غلطی کر سکتے ہو انہوں نے بھی کی۔

آیت ۱۷۱ ﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً﴾ "اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے کفر کیا' ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایسی چیز کو پکارے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سمجھتی ہو۔"

جو لوگ محض باپ دادا کی تقلید میں اپنے کفر پر اَڑ گئے ہیں اُن کی تشبیہہ جانوروں سے دی گئی ہے جنہیں پکارا جائے تو وہ پکارنے والے کی پکار اور آواز تو سنتے ہیں' لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ تمثیل سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن وہ اس دعوت پر کان دھرنے کو تیار نہیں ہیں۔

﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ "وہ بہرے بھی ہیں' گونگے بھی ہیں' اندھے بھی ہیں' پس وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔"

آیت ۱۷۲ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ "اے اہل ایمان! کھاؤ اُن تمام پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں"

﴿وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ﴾ "اور اللہ کا شکر ادا کرو"

﴿اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ "اگر تم واقعتاً اُسی کی عبادت کرنے والے ہو۔"

جیسا کہ میں نے عرض کیا سورۃ الانعام میں یہ ساری چیزیں تفصیل سے آئیں گی۔

آیت ۱۷۳ ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ﴾ "اُس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردار اور خون"

جو جانور اپنی موت آپ مر گیا' ذبح نہیں کیا گیا وہ حرام ہے اور خون حرام ہے' نجس ہے۔ اسی لیے اہل اسلام کا ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ صرف گردن کو کاٹا جائے' تاکہ اس میں

شریانیں وغیرہ کٹ جائیں اور جسم کا اکثر خون نکل جائے۔ لیکن اگر جھٹکا کیا جائے' یعنی تیز دھار آلے کے ایک ہی وار سے جانور کی گردن الگ کر دی جائے' جیسے سکھ کرتے ہیں یا جیسے یورپ وغیرہ میں ہوتا ہے' تو پھر خون جسم کے اندر رہ جاتا ہے۔ اس طریقے سے مارا گیا جانور حرام ہے۔

﴿وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ﴾ ''اور خنزیر کا گوشت''

﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''اور جس پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا گیا ہو۔''

یعنی کسی جانور کو ذبح کرتے ہوئے کسی بت کا' کسی دیوی کا' کسی دیوتا کا' الغرض اللہ کے سوا کسی کا بھی نام لیا گیا تو وہ حرام ہو گیا' اس کا گوشت کھانا حرام مطلق ہے' لیکن اسی کے تابع یہ صورت بھی ہے کہ کسی بزرگ کا قرب حاصل کرنے کے لیے جانور کو اس کے مزار پر لے جا کر وہاں ذبح کیا جائے' اگرچہ دعویٰ یہ ہو کہ یہ صاحب مزار کے ایصالِ ثواب کی خاطر اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کیا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ ایصالِ ثواب کی خاطر تو یہ عمل گھر پر بھی کیا جا سکتا ہے۔

وہ کھانے جو اہل عرب میں اُس وقت رائج تھے' اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر ان میں سے چار چیزوں کی حرمت کا قرآن حکیم میں بار بار اعلان کیا ہے۔ مکی سورتوں میں بھی ان چیزوں کی حرمت کا متعدد بار بیان ہوا ہے اور یہاں سورۃ البقرۃ میں بھی جو مدنی سورت ہے۔ اس کے بعد سورۃ المائدۃ میں یہ مضمون پھر آئے گا۔ ان چار چیزوں کی حرمت کے بیان سے حلال و حرام کی تفصیل پیش کرنا ہرگز مقصود نہیں ہے' بلکہ مشرکین کی تردید ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ﴾ ''پھر جو کوئی مجبور ہو جائے اور وہ خواہش مند اور حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔''

اگر کوئی شخص بھوک سے مجبور ہو گیا ہے' جان نکل رہی ہے اور کوئی شے کھانے کو نہیں ہے تو وہ جان بچانے کے لیے حرام کردہ چیز بھی کھا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے دو شرطیں عائد کی گئی ہیں' ایک تو وہ اس حرام کی طرف رغبت اور میلان نہ رکھتا ہو اور دوسرے یہ کہ جان بچانے کے لیے جو ناگزیر مقدار ہے اس سے آگے نہ بڑھے۔ ان دو شرطوں کے ساتھ جان بچانے کے لیے حرام چیز بھی کھائی جا سکتی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۱۷۴ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا

قَلِيلًا ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کو جو اللہ نے نازل کیا ہے کتاب میں سے اور فروخت کرتے ہیں اسے بہت حقیر سی قیمت پر''

یعنی اس کے عوض دُنیوی فائدوں کی صورت میں حقیر قیمت قبول کرتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ﴾ ''یہ لوگ نہیں بھر رہے اپنے پیٹوں میں مگر آگ''

﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا قیامت کے دن۔''

﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ﴾ ''اور نہ انہیں پاک کرے گا۔''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۱۷۵ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى﴾ ''یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خرید لی ہے''

﴿وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ﴾ ''اور (اللہ کی) مغفرت ہاتھ سے دے کر عذاب خرید لیا ہے۔''

﴿فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ ''تو یہ کس قدر صبر کرنے والے ہیں دوزخ پر!''

ان کا کتنا حوصلہ ہے کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں! اس کے لیے کس طرح تیاری کر رہے ہیں!

آیت ۱۷۶ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ نے تو کتاب نازل کی حق کے ساتھ۔''

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ﴾ ''اور یقیناً جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف ڈالا وہ ضد اور مخالفت میں بہت دور نکل گئے۔''

جن لوگوں نے اللہ کی کتاب اور شریعت میں اختلاف کی پگڈنڈیاں نکالیں وہ ضد، ہٹ دھرمی، شقاوت اور دشمنی میں مبتلا ہو گئے اور اس میں بہت دور نکل گئے۔ اعاذنا اللّٰہ مِنْ ذٰلِکَ!

❀ ❀ ❀

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم
ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۲۵۴

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۵۴﴾﴾

ب ی ع

بَاعَ (ض) بَیْعًا : فروخت کرنا' سودا کرنا۔

بَیْعٌ (اسم ذات) : سودا' آیت زیر مطالعہ۔

بِیَعٌ (اسم ذات) : عبادت خانہ' معبد۔ ﴿لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ﴾ (الحج: ٤٠) ''تو منہدم کیے جاتے گرجے اور عبادت خانے اور نمازیں اور مسجدیں۔''

بَایَعَ (مفاعلہ) مُبَایَعَةً : (۱) کسی سودے کا معاہدہ کرنا۔ (۲) بیعت کرنا۔ ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ﴾ (التوبۃ: ١١١) ''پس تم لوگ خوشی مناؤ اپنے اس سودے پر تم نے معاہدہ کیا جس کا۔'' ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح: ١٨) ''بے شک اللہ راضی ہوا ہے مؤمنوں سے جب وہ لوگ آپ ﷺ کی بیعت کرتے تھے اس درخت کے نیچے۔''

تَبَايَعَ (تفاعل) تَبَايُعًا : باہم خرید وفروخت کرنا۔ ﴿وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ (البقرۃ:۲۸۲) ''اورتم لوگ گواہ بناؤ جب باہم خرید وفروخت کرو۔''

خ ل ل

خَلَّ (ن) خَلًّا : کسی چیز میں سوراخ کرنا۔

خَلٌّ ج خِلَالٌ (اسم ذات) : سوراخ' کسی چیز کے دو کناروں کا درمیانی فاصلہ' دراڑ۔ ﴿اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا﴾ (النمل:٦١) ''یا وہ جس نے بنایا زمین کو ٹھہرا ہوا اور بنایا اس کی دراڑوں کو نہریں۔''

خُلَّةٌ ج خِلَالٌ (اسم ذات) : ایک طرح کی میٹھی گھاس (یعنی مٹھاس سوراخ کر کے گھاس کے اندر چلی جاتی ہے)۔ پھر استعارۃً دوستی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔ اور: ﴿اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ (ابراھیم) ''کہ آئے وہ دن کوئی سودا نہیں ہے جس میں اور نہ ہی یارانے۔''

خَلِيْلٌ ج اَخِلَّاءُ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت) : قریبی دوست' خاص دوست۔ ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ (النساء) ''اور بنایا اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست۔'' ﴿اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾ (الزُخرف) ''سارے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔''

ترکیب : فعل امر ''اَنْفِقُوْا'' کا فاعل اس میں ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ'' اس کا مفعول ہے۔ ''يَاْتِيَ'' کا فاعل ''يَوْمٌ'' ہے اور نکرہ مخصوصہ ہے۔ ''بَيْعٌ'' ''خُلَّةٌ'' اور ''شَفَاعَةٌ'' مبتدأ نکرہ ہیں' کیونکہ قاعدہ بیان ہو رہا ہے اور ان کی خبریں محذوف ہیں۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ : اے لوگو! جو	اٰمَنُوْٓا : ایمان لائے
اَنْفِقُوْا : تم لوگ خرچ کرو	مِمَّا : اس میں سے جو
رَزَقْنٰكُمْ : ہم نے دیا تم کو	مِّنْ قَبْلِ : اس سے پہلے
اَنْ : کہ	يَّاْتِيَ : آئے
يَوْمٌ : وہ دن	لَّا بَيْعٌ : کوئی سودا نہیں ہے
فِيْهِ : جس میں	وَلَا خُلَّةٌ : اور نہ کوئی دوستی ہے

وَّلَا شَفَاعَةٌ :اور نہ ہی کوئی شفاعت ہے وَالْكٰفِرُوْنَ :اور انکار کرنے والے
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ :ہی ظالم ہیں

آیت ۲۵۵

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَاشَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾

و س ن

وَسِنَ (س) سِنَةً :اُونگھ آنا۔

سِنَةٌ (اسم ذات) : اُونگھ' غفلت' آیت زیر مطالعہ۔

ن و م

نَامَ (ف) نَوْمًا :نیند کرنا' سونا۔

نَوْمًا (اسم ذات) :نیند' آیت زیر مطالعہ۔

نَآئِمٌ (اسم الفاعل) :نیند کرنے والا' سونے والا۔ ﴿فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ (القلم) ''تو چکر لگایا ایک آفت نے آپؐ کے ربّ کی طرف سے اس حال میں کہ وہ لوگ نیند کرنے والے تھے۔''

مَنَامٌ (مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف) :نیند کرنے یا سونے کی جگہ یا وقت۔ ﴿اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ﴾ (الصّٰفّٰت:۱۰۲) ''بے شک میں دیکھتا ہوں سونے کے وقت میں کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں۔''

ك ر س

(x) x :ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

اَكْرَسَ (افعال) اِكْرَاسًا :کسی چیز کو تہہ در تہہ جمانا' عمارت کی بنیاد کو ٹھونک ٹھونک کر پختہ کرنا۔

كُرْسِيٌّ : بیٹھنے یا جمنے کی جگہ' کرسی' تختِ حکومت۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ء و د

آدَ (ن) اَوْدًا : گرانبار کرنا' تھکانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ع ل و

عَلَا (ن) عُلُوًّا : (۱) بلند ہونا' (۲) کسی چیز پر چڑھنا' چڑھائی کرنا' غالب ہونا' (۳) سرکشی کرنا' بغاوت کرنا۔ ﴿اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ (النمل) ''کہ تم لوگ بلند مت ہو مجھ سے اور تم لوگ آؤ میرے پاس فرمانبردار ہوتے ہوئے۔'' ﴿وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (المؤمنون:۹۱) ''اور ضرور چڑھائی کرتے ان کے بعض' بعض پر۔'' ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ (القصص:٤) ''بے شک فرعون نے سرکشی کی زمین میں۔''

عُلُوٌّ (اسم ذات بھی ہے) : بلندی' بڑائی۔ ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ (القصص:۸۳) ''یہ آخری گھر' ہم نے بنایا اسے ان لوگوں کے لیے جو نہیں چاہتے بڑائی زمین میں اور نہ فساد۔''

اَعْلٰى مؤنث عُلْيَا (اَفْعَلُ اور فُعْلٰى کے وزن پر اسم التفضیل) : زیادہ بلند' سب سے بلند' غالب۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے انتہائی بلند' مطلق بلند۔ ﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ (طٰہٰ) ''تو مت ڈر' بے شک تو غالب ہے۔'' ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ (الاعلیٰ) ''تو تسبیح کر اپنے بلند ربّ کے نام کی۔'' ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ (التوبۃ:٤٠) ''اور اللہ کا فرمان ہی بلند ہے۔''

عَالٍ (اسم الفاعل) : صفت کے طور پر بھی آتا ہے: بلند ہونے والا یعنی بلند۔ ﴿فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ (الحاقۃ) ''ایک بلند باغ میں۔'' ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ﴾ (الدھر:۲۱) ''چڑھنے والا ہے ان پر ایک باریک ریشم کا کپڑا۔'' ﴿وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ﴾ (یونس:۸۳) ''اور بے شک فرعون سرکشی کرنے والا ہے زمین میں۔''

عَلِيٌّ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت) : ہمیشہ اور ہر حال میں بلند' بالاتر۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

عِلِّيٌّ (اسم ذات) : بلندی۔ ﴿اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ﴾ (المطففین) ''یقیناً نیکی کرنے والوں کی کتاب بلندیوں میں ہے۔''

تَعَالٰى (تفاعل) تَعَالٍ : دوسروں سے بلند ہونا۔ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

(الاعراف) ''تو بلند ہوا اللہ اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔''

تَعَالَ ج تَعَالَوْا (فعل امر) : تو بلند ہو' تو اُٹھ' پھر زیادہ تر ''تو آ'' کے معنی میں آتا ہے۔ ﴿تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ﴾ (آل عمران:٦٤) ''تم لوگ آؤ ایک ایسے کلمے کی طرف جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے مابین۔''

مُتَعَالٍ (اسم الفاعل) : صفت کے طور پر بھی آتا ہے: دوسروں سے بلند ہونے والا یعنی دوسروں سے بلند۔ ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ﴾ (الرعد) ''شھادہ (ظاہر) اور غیب کا جاننے والا جو ہمیشہ بڑا ہے' سب سے بلند ہے۔''

اِسْتَعْلٰی (استفعال) **اِسْتِعْلَاءً** : بلندی یا غلبے کی کوشش کرنا یعنی بلند ہونا' غالب ہونا۔ ﴿وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی﴾ (طٰہٰ) ''اور اس نے مراد پالی ہے آج جو غالب ہوا۔''

ترکیب : ''اَللّٰهُ'' مبتدأ اور اس کے آگے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' پورا جملہ اس کی خبر ہے' جبکہ اس جملہ میں ''لَا اِلٰهَ'' مبتدأ ہے' اس کی خبر ''بِحَقٍّ مَوْجُوْدٌ'' محذوف ہے اور ''اِلَّا هُوَ'' متعلق خبر ہے۔ ''اَلْحَیُّ'' اور ''اَلْقَیُّوْمُ'' مبتدأ لفظ ''اَللّٰهُ'' کا بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں اور ان پر لام جنس ہے۔ ''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ'' پورا جملہ ''اَللّٰهُ'' کی صفت ہے۔ اس جملہ میں ''لَا تَاْخُذُهٗ'' فعل ہے ''ہٗ'' اس کی ضمیر مفعولی ہے' جبکہ ''سِنَةٌ'' اور ''نَوْمٌ'' اس کے فاعل ہیں۔ ''مَا'' مبتدأ ہے' اس کی خبر ''مَوْجُوْدٌ'' محذوف ہے اور ''فِی السَّمٰوٰتِ'' اور ''فِی الْاَرْضِ'' قائم مقام خبر ہیں۔ پھر یہ دونوں جملے مبتدأ مؤخر ہیں' ان کی خبر ''ثَابِتٌ'' محذوف ہے' جبکہ ''لَهٗ'' قائم مقام خبر مقدم ہے' اور اس پر لام تملیک لگا ہوا ہے۔ ''یَعْلَمُ'' کا فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''اَللّٰهُ'' کے لیے ہے۔ ''مَا'' اس کا مفعول ہے' جبکہ ''بَیْنَ'' اور ''خَلْفَ'' ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ ''کُرْسِیُّهٗ'' مرکب اضافی ہے اور ''وَسِعَ'' کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے' جبکہ ''اَلسَّمٰوٰتِ'' اور ''اَلْاَرْضَ'' دونوں اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ ''یَئُوْدُ'' کا فاعل ''حِفْظُهُمَا'' ہے۔ ''اَلسَّمٰوٰتِ'' ایک جنس ہے اور ''اَلْاَرْضَ'' دوسری جنس ہے' اس لیے تثنیہ کی ضمیر ''هُمَا'' آئی ہے۔

ترجمہ:

اَللّٰهُ : اللہ	لَآ اِلٰهَ : کسی قسم کا کوئی الٰہ نہیں ہے
اِلَّا : سوائے اس کے کہ	هُوَ : وہ ہے

اَلْحَيُّ :جو (حقیقتاً) زندہ ہے	الْقَيُّوْمُ :جو (حقیقی) نگران وکفیل ہے
لَا تَاْخُذُهٗ :نہیں پکڑتی اس کو	سِنَةٌ :کوئی اونگھ
وَّلَا نَوْمٌ :اور نہ کوئی نیند	لَهٗ :اس کی ہی (ملکیت) ہے
مَا :وہ جو ہے	فِی السَّمٰوٰتِ :آسمانوں میں
وَمَا :اور وہ جو ہے	فِی الْاَرْضِ :زمین میں
مَنْ ذَا الَّذِیْ :کون ہے وہ جو	يَشْفَعُ :شفاعت کرے
عِنْدَهٗ :اس کے پاس	اِلَّا :مگر
بِاِذْنِهٖ :اس کی اجازت سے	يَعْلَمُ :وہ جانتا ہے
مَا :اس کو جو	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ :ان کے آگے ہے
وَمَا :اور اس کو جو	خَلْفَهُمْ :ان کے پیچھے ہے
وَلَا يُحِيْطُوْنَ :اور وہ احاطہ نہیں کرتے	بِشَيْءٍ :کسی چیز کا
مِّنْ عِلْمِهٖٓ :اس کے علم میں سے	اِلَّا :مگر
بِمَا :اس کا جو	شَآءَ :وہ چاہے
وَسِعَ :کشادہ ہوا	كُرْسِيُّهُ :اس کا تختِ حکومت
السَّمٰوٰتِ :آسمانوں میں	وَالْاَرْضَ :اور زمین میں
وَلَا يَئُوْدُهٗ :اور نہیں تھکاتا اس کو	حِفْظُهُمَا :ان دونوں کی حفاظت کرنا
وَهُوَ :اور وہ	الْعَلِيُّ :بالاتر ہے
الْعَظِيْمُ :عظیم ہے	

نوٹ (۱): تفسیر ابن کثیر میں متعدد احادیث دی ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ ہر نماز کے بعد اور رات کو سوتے وقت اس کو پڑھ لینے سے انسان شیاطین جن وانس سے محفوظ رہتا ہے۔

آیت ۲۵۶

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾﴾

غ و ی

غَوٰی (ض) غَیًّا : صحیح راستے سے بھٹک جانا' گمراہ ہونا۔ ﴿وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی﴾ (طٰہٰ) ''اور کہنا نہ مانا آدمؑ نے اپنے ربّ کا تو وہ صحیح راستے سے ہٹ گئے۔''

غَیٌّ (اسم ذات بھی ہے) : گمراہی۔ آیت زیر مطالعہ۔

غَاوٍ (فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل) : گمراہ ہونے والا۔ ﴿وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ﴾ (الشُّعراء) ''اور شاعر لوگ' ان کی پیروی کرتے ہیں گمراہ ہونے والے۔''

غَوِیٌّ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت) : گمراہ۔ ﴿اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾ (القصص) ''بے شک تو کھلا گمراہ ہے۔''

اَغْوٰی (افعال) اِغْوَاءً : راستے سے بہکا دینا' گمراہ کرنا۔ ﴿رَبَّنَا ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا﴾ (القصص:٦٣) ''اے ہمارے ربّ! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا۔''

طَغٰی (ف) طَغْیًا وَطُغْیَانًا : مناسب حد سے بڑھنا۔ ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنٰکُمْ فِی الْجَارِیَۃِ﴾ (الحاقۃ) ''بے شک ہم نے تم کو کشتی میں سوار کیا جب پانی اپنی حد سے بڑھ گیا۔'' ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا﴾ (النّٰزعٰت) ''پس جو حد سے بڑھا اور اس نے دُنیوی زندگی کو ترجیح دی۔''

اَلطَّاغُوْتُ (اسم) یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوجاتا ہے' اگرچہ اس کی جمع طَوَاغِیْتُ اور طَوَاغٍ بھی آتی ہے: انتہائی سرکش' حدودِ بندگی سے تجاوز کرنے والا' شیطان' معبودِ باطل خواہ انسان ہو یا جن یا بُت۔

اَلطَّاغِیَۃُ : انتہائی سرکش' ۃ مبالغہ کی ہے' کڑک دار بجلی جس کی کڑک حد سے بڑھی ہو۔ ﴿فَاُھْلِکُوْا بِالطَّاغِیَۃِ﴾ (الحاقۃ) ''وہ ہلاک کیے گئے کڑک دار بجلی سے۔''

اَلطَّغْوٰی : سرکشی' نافرمانی۔ ﴿کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰھَا﴾ (الشمس) ''قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا۔''

ع ر و

عَرٰی (ن) عَرْوًا : کسی کے سامنے آنا' لاحق ہونا۔

عُرْوَۃٌ (اسم ذات) : کسی چیز کو تھامنے یا لینے کا ذریعہ' جیسے پانی کے جگ کا دستہ' دروازے کا کنڈا' رسی کی گرہ وغیرہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

اِعْتَرٰی (افتعال) اِعْتِرَاءً :اہتمام سے لاحق ہونا۔ ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ﴾ (ھود:٥٤) ''ہم نہیں کہتے مگر یہ کہ تجھ کو لاحق ہوا ہمارے خداؤں میں سے کوئی بری طرح۔''

ف ص م

فَصَمَ (ض) فَصْمًا :توڑنا' کاٹنا۔

اِنْفَصَمَ (انفعال) اِنْفِصَامًا :ٹوٹنا' کٹنا۔آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب ''لَا اِكْرَاهَ'' مبتدأ ہے' اس کی خبر ''مَوْجُوْدٌ'' محذوف ہے اور ''فِي الدِّيْنِ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''تَبَيَّنَ'' کا فاعل ''الرُّشْدُ'' ہے۔ ''مَنْ'' شرطیہ ہے۔ ''يَّكْفُرْ'' سے ''بِاللّٰهِ'' تک شرط ہے اور ''فَقَدِ'' سے ''لَهَا'' تک جواب شرط ہے۔ ''انْفِصَامَ'' مبتدأ ہے' اس کی خبر محذوف ہے اور ''لَهَا'' قائم مقام خبر ہے۔

ترجمہ:

لَآ اِكْرَاهَ :کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہے
فِي الدِّيْنِ :دین (قبول کرنے) میں
قَدْ تَّبَيَّنَ :واضح ہوگئی ہے
الرُّشْدُ :ہدایت
مِنَ الْغَيِّ :گمراہی سے
فَمَنْ يَّكْفُرْ :پس جو انکار کرتا ہے
بِالطَّاغُوْتِ :سرکشی (کے راستوں) کا
وَيُؤْمِنْۢ :اور ایمان لاتا ہے
بِاللّٰهِ :اللہ (کی اطاعت) پر
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ :تو وہ چمٹتا ہے
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى :انتہائی مضبوط کنڈے سے
لَا انْفِصَامَ :کسی طرح ٹوٹنا نہیں ہے
لَهَا :اس کو
وَاللّٰهُ :اور اللہ
سَمِيْعٌ :سننے والا ہے
عَلِيْمٌ :جاننے والا ہے

نوٹ :''لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے زبردستی نہیں کی جائے گی۔لیکن جو بھی اسلام میں داخل ہوگا اس پر اسلامی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور نہ کرنے پر وہ سزا کا مستحق ہوگا' جبکہ ایک غیر مسلم اُس سزا سے مستثنیٰ ہوگا۔ اسلامی حکومت میں ملکی قوانین کی پابندی مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لیے یکساں ہوگی اور اس پہلو سے ان کے مابین کوئی امتیاز (discrimination) نہیں ہوگا۔

آیت ۲۵۷

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾﴾

ترکیب: ''اَللّٰهُ'' مبتدأ ہے۔ ''وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' صلہ موصول مل کر خبر اوّل ہے' جبکہ ''يُخْرِجُهُمْ'' سے ''اِلَى النُّوْرِ'' تک پورا جملہ خبر ثانی ہے۔ ''اَلطَّاغُوْتُ'' یہاں جمع کے معنی میں آیا ہے اس لیے ''اَوْلِيَاءُ'' اور ''يُخْرِجُوْنَ'' جمع آئے ہیں۔

ترجمہ:

اَللّٰهُ: اللہ	وَلِيُّ الَّذِيْنَ: ان لوگوں کا دوست ہے جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے	يُخْرِجُهُمْ: وہ نکالتا ہے ان کو
مِّنَ الظُّلُمٰتِ: اندھیروں سے	اِلَى النُّوْرِ: نور کی طرف
وَالَّذِيْنَ: اور جنہوں نے	كَفَرُوْٓا: کفر کیا
اَوْلِيٰۗـــُٔــهُمُ: ان کے دوست ہیں	الطَّاغُوْتُ: طاغوت
يُخْرِجُوْنَهُمْ: وہ لوگ نکالتے ہیں ان کو	مِّنَ النُّوْرِ: نور سے
اِلَى الظُّلُمٰتِ: اندھیروں کی طرف	اُولٰۗىِٕكَ: وہ لوگ
اَصْحٰبُ النَّارِ: آگ کے ساتھی ہیں	هُمْ: وہ لوگ
فِيْهَا: اس میں	خٰلِدُوْنَ: ہمیشہ رہنے والے ہیں

نوٹ: اس آیت میں نور اور ظلمات' ہدایت اور گمراہی کے لیے استعارے ہیں۔ ہدایت ایک ہی ہوتی ہے اس لیے نور واحد آیا ہے' جبکہ گمراہی کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں اس لیے ظلمات جمع آیا ہے۔

آیت ۲۵۸

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ

اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ؕ
وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾

ب ھ ت

بَھَتَ (ف) بَھْتًا : حیران کر دینا' ششدر کر دینا۔ ﴿بَلْ تَاْتِیْھِمْ بَغْتَۃً فَتَبْھَتُھُمْ﴾ (الانبیاء: ۴۰) ''بلکہ وہ (یعنی آگ) آئے گی ان کے پاس اچانک تو وہ ششدر کر دے گی ان کو۔''

بُھْتَانٌ (فُعْلَانٌ کے وزن پر مبالغہ) : انتہائی حیران و ششدر کرنے والا۔ پھر اصطلاحاً ایسے جھوٹ اور جھوٹے الزام کے لیے آتا ہے جسے سن کر انسان ششدر اور دم بخود رہ جائے۔ ﴿ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۶﴾﴾ (النور) ''یہ ایک عظیم جھوٹا الزام ہے۔''

ترکیب : ''اَنْ'' سے پہلے ''بَا'' سببیہ محذوف ہے۔ ''اٰتٰہُ'' میں ضمیر مفعولی ''اَلَّذِیْ'' کے لیے ہے' جبکہ ''اَلْمُلْکَ'' مفعول ثانی ہے۔ ''فَاِنَّ'' میں ''فَ'' کا مفہوم ہے ''اچھا تو پھر''۔ ''بُھِتَ'' ماضی مجہول ہے۔ اس سے پہلے ''کَذٰلِکَ'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

اَلَمْ تَرَ : کیا تو نے غور ہی نہیں کیا	اِلَی الَّذِیْ : اس (کی حالت) کی طرف جس نے
حَآجَّ : بحث کی	اِبْرٰھٖمَ : ابراہیمؑ سے
فِیْ رَبِّہٖٓ : ان کے رب (کے بارے) میں	اَنْ : (اس سبب سے) کہ
اٰتٰہُ : دی اس کو	اللّٰہُ : اللہ نے
الْمُلْکَ : بادشاہت	اِذْ قَالَ : جب کہا
اِبْرٰھٖمُ : ابراہیمؑ نے	رَبِّیَ الَّذِیْ : میرا رب وہ ہے جو
یُحْیٖ : زندگی دیتا ہے	وَیُمِیْتُ : اور موت دیتا ہے
قَالَ : اس نے کہا	اَنَا : میں (بھی)
اُحْیٖ : زندگی دیتا ہوں	وَاُمِیْتُ : اور موت دیتا ہوں

(باقی صفحہ 48 پر)

مال وزر

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ ؓ قَالَ انْتَھَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَھُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْکَعْبَۃِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ: ((ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ)) فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ ھُمْ؟ قَالَ: ((ھُمُ الْاَکْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ ھٰکَذَا وَھٰکَذَا وَھٰکَذَا مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ)) (متفق علیہ)[1]

''حضرت ابوذر غفاری ؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ ﷺ اُس وقت کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: ''ربِّ کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔'' میں نے عرض کیا: حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان' کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ جو بڑے دولت منداور سرمایہ دار ہیں' ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں' مگر اُن (دولت مندوں اور سرمایہ داروں) میں ایسے بندے بہت کم ہیں''۔

مال وزر میں بڑی کشش ہے' کیونکہ اس کے ساتھ دنیا کی خوش حالی وابستہ ہے۔ مال دار آدمی دولت خرچ کر کے آرام وآسائش کی تمام چیزیں اکٹھی کرسکتا ہے۔ اچھے مکان میں جملہ سہولیات کے ساتھ باوقار زندگی بسر کرسکتا ہے۔ اُس کے کھانے کی میز پر طرح طرح کے خوش ذائقہ کھانے موجود ہوتے ہیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں میں جا کر مرغن اور مسالے دار غذاؤں

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان والنذور' باب کیف کانت یمین النبی ﷺ۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب تغلیظ عقوبۃ من لا یؤدی الزکاۃ۔

سے کام و دہن کی تسکین کر سکتا ہے۔ اُسے ہر طرح کے موسمی پھل کھانے کو ملتے ہیں۔ دولت مند آدمی مال و دولت کے بل بوتے پر نوکر چاکر رکھ سکتا ہے جو اُس کے اشاروں پر کام کرتے اور اسے آسودگی فراہم کرتے ہیں۔ مال و زر کی کثرت کی وجہ سے دوسرے لوگ اس کا احترام کرتے ہیں۔ وہ اپنے بیوی بچوں کی ہر خواہش پوری کر سکتا ہے۔ بیوی کے لیے زرق برق لباس اور قیمتی زیورات خرید سکتا ہے۔ بچوں کو قیمتی کھلونے اور طرح طرح کی پسندیدہ چیزیں فراہم کر سکتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کو انگلش سکولوں میں تعلیم دلوا کر اُن کے شاندار مستقبل کے خواب دیکھ سکتا ہے۔ دولت مند آدمی اپنے بچوں کی شادیوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کر کے معاشرے میں اپنی بڑائی قائم کرتا اور اپنی انا کی تسکین کا سامان پیدا کر لیتا ہے۔

اس کے برعکس غریب آدمی سادہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ وہ بمشکل اپنی بنیادی ضروریات ہی پوری کر سکتا ہے' بیوی بچوں کے جائز تقاضے بھی پورے کرنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اُس کی زندگی مشقت سے پُر ہوتی ہے' اسے روکی سوکھی کھا کر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ اسے اچھا کھانا اور کپڑا میسر نہیں ہوتا۔ یوں اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور معاشرے میں اُسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ نادار اور غریب اگر تنگی ترشی میں زندگی گزارتا ہے اور اس حال میں وہ صبر سے کام لیتا' اللہ کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے' اُس کے ذکر میں مشغول رہتا ہے تو اُس سے زیادہ کامیاب کوئی دوسرا انسان نہیں۔ ایسے شخص کا حساب حسابًا یسیرًا ہوگا۔ اس کے برعکس دولت مند آدمی دنیا میں دولت کے بل بوتے پر عیش و عشرت تو کر لے گا لیکن حساب کتاب کے وقت اُسے مشکل پیش آئے گی' اُسے جواب دینا پڑے گا کہ دولت کا ناجائز استعمال کیوں کیا؟ اس حدیث میں ایسے ہی دولت مندوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر کہا ہے کہ وہ سب سے زیادہ گھاٹے میں ہیں۔

مال و دولت بذاتِ خود بری چیز نہیں ہے۔ اگر اسے سلیقے کے ساتھ استعمال کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔ روپے پیسے کو قرآن مجید میں فضل کہا گیا ہے اور یہ لفظ کسی طور پر بھی منفی مفہوم نہیں دیتا۔ جس طرح اللہ کی دی ہوئی دیگر نعمتوں مثلاً آنکھ' کان' زبان وغیرہ کا استعمال مالک کی رضا کے مطابق کرنا چاہیے اسی طرح دولت کے خرچ کرنے میں بھی اللہ کے حکموں کی پابندی ضروری ہے' اور یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اس میں بڑی استقامت' صبر اور استقلال کی ضرورت ہے۔ اکثر دولت مند دولت کے خرچ میں میانہ روی اختیار نہیں کر سکتے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کو سب سے زیادہ خسارہ پانے والے کہا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دولت منداس خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنی دولت کو فراخ دلی کے ساتھ خیر کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ صرف خسارے سے بچے ہوئے ہیں بلکہ اُن کے لیے بھلائیاں کمانے کے کثیر مواقع موجود ہیں۔ وہ غریبوں کو کھانا کھلائیں' مریضوں کے علاج معالجہ میں روپیہ خرچ کریں' یتیموں' مسکینوں اور بیواؤں کی خبر گیری کریں' حج اور عمرے کے لیے حرم شریف جائیں اور وہاں ایک نماز ادا کریں اور ایک لاکھ نماز کا ثواب پائیں' مال کو نام ونمود اور نمائش کے لیے خرچ نہ کریں' فضول خرچی سے بچتے رہیں' اپنی ضروریات کو گھٹاتے رہیں' بیوی بچوں کے ناجائز تقاضوں کو پورا کرنے سے رکے رہیں' دولت مندی انہیں غرور اور تکبر میں مبتلا نہ کرے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ خسارے سے بچے ہوئے ہیں' مگر یہ لوگ آپؐ کے فرمان کے مطابق بہت کم تعداد میں ہیں۔ کیونکہ دولت کی فراوانی نفسانی خواہشات کو طول دیتی ہے۔ دولت مند آدمی اس دنیا کے آرام وآسائش میں اس قدر مدہوش ہوجاتا ہے کہ اسے برے بھلے کی تمیز نہیں رہتی۔ اس طرح وہ فکر آخرت سے بے پرواہ دولت اکٹھی کرتا رہتا ہے اور اُسے فضولیات میں اڑاتا رہتا ہے۔ ایسے لوگ موت کے وقت تمنا کریں گے کہ کاش انہیں کچھ مہلت مل جائے تو وہ اچھے کاموں میں دولت خرچ کر کے نیکوکاروں میں شامل ہوجائیں' مگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ہرگز کچھ بھی مہلت نہیں دیتا جب اُس کا وقتِ مقرر آجائے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ﴾ (المنٰفقون: ۱۱)

پس اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دولت بہت بڑی نعمت ہے' اس کا استعمال برا بھی ہوسکتا ہے اور اچھا بھی۔ اس کا برا استعمال فضول خرچی' عیش وعشرت اور نمود ونمائش ہے اور اچھا استعمال خدا کی رضا کے لیے خرچ کرنا ہے۔ اگرچہ یہ کام مشکل ہے مگر جتنا مشکل ہے اتنا ہی زیادہ ثواب کا موجب اور حقیقی کامیابی' کامرانی اور نجات کا باعث ہے۔ دولت مند لوگوں کے لیے لمحۂ فکر یہ ہے کہ وہ اپنی دولت کو کہاں خرچ کر رہے ہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ ابدی خسارہ یا لازوال راحت!!

❁ ❁ ❁

رِبا الفَضل

مرزا عمران حیدر ☆

معیشت کو جو چیز اسلامی طرزِ زندگی سے نکال کر غیر اسلامی بناتی ہے ان میں سب سے بنیادی چیز سود ہے۔ سود کے بارے میں شارع علیہ السلام نے اس قدر زجر وتوبیخ فرمائی ہے کہ ایک مسلمان اس کے تصور سے ہی کانپ جاتا ہے۔ سود کی عمارت کن اصولوں پر قائم ہے' شریعت اسلامیہ نے واضح طور پر ان کی نشاندہی کر دی ہے۔ حالات اور معاملات کی تبدیلی کے ساتھ ان اصولوں کو استعمال کر کے سودی اور غیر سودی معاملے کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

ربا کا لغوی معنی ہے نمو پانا' زیادہ ہونا' بلند ہونا' اضافہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (آل عمران:۲۷۶)

''وہ (اللہ) صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

امام راغب اصفہانی نے فرمایا:

هو الزيادة على رأس المال

''اصل سرمائے پر اضافے کو ربا کہتے ہیں''۔

حدیث میں اس کا مترادف لفظ الرما بھی رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

علماء نے سود کی جو تعریفات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ خاص اشیاء کے باہمی تبادلے میں اضافہ یا وقت کے عوض قرض میں اضافہ سود کہلاتا ہے۔

لفظ ربا کی لغوی تعریف پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کا اضافہ سود کہلائے گا' حتیٰ کہ تجارت سے حاصل ہونے والا جائز منافع بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ لیکن قرآن مجید نے ربا اور تجارت کے درمیان لغوی معنی میں متحد ہونے کے باوجود ان کی حقیقت' اثرات اور نتائج میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے یوں بیان فرمایا:

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (آل عمران:٢٧٥)
''اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''

یہ آیت دراصل ان مشرکین مکہ کا جواب ہے جنہوں نے ربا اور تجارت کی لغوی اور ظاہری صورت دیکھتے ہوئے کہا:
﴿اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ (آل عمران:٢٧٥)
''یقیناً تجارت بھی سود کی طرح ہی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ تجارت کو سود (ربا) کی مانند قرار دینا یا سود کو تجارت کی طرح قرار دینا یا اس پر قیاس کرنا دراصل ایک ہی بات ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے سختی سے ردّ فرمایا ہے اور ایسے انسان کو شیطانی مَس سے حواس باختہ قرار دیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لغوی طور پر تجارت اور سود کے ایک طرح کا ہونے کے بعد اِن میں فرق کیسے کیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:
﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾ (النحل:٤٤)
''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔''

نبیٔ رحمت ﷺ نے اپنے قرآنی منصب کے تحت اس وضاحت کا حق ادا فرما دیا ہے اور مسائل کو اس طرح نکھارا ہے جس سے حق اور باطل میں تمیز ہو گئی ہے اور ہر چیز کی حقیقت واضح ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر قسم کے سود کو ربا ہی قرار دیا ہے۔ قرآن وحدیث میں جہاں بھی لفظ ربا آئے گا وہ سود کی تمام قسموں کو شامل ہے۔

علماء نے ربا کو بنیادی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:
(۱) ربا الفضل (۲) ربا النسیئہ

(۱) ربا الفضل

سونا' چاندی' گندم' جَو' کھجور اور نمک یا ان جیسی چیزوں میں سے کسی ایک جنس کے اپنی جنس میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلے کو ربا الفضل کہتے ہیں۔ ایسی چیزوں کو ربویات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیا ربا الفضل سود ہے؟ اس مسئلہ میں متقدمین میں تو کوئی اختلاف نہیں' البتہ دورِ حاضر میں علماء کے دو گروہ ہیں۔

(i) جمہور علماء کہتے ہیں کہ ربا الفضل سود ہے۔ (۱)

(ii) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ ربا الفضل کے سود ہونے کے قائل نہیں' وہ صرف ربا النسیئہ کو سود قرار دیتے ہیں۔ (۲)

البتہ عقل پرست اور منکرین حدیث اس کے سود ہونے کے قائل نہیں۔

جمہور کے دلائل: قرآن سے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (آل عمران:۲۷۵)

''اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''

الربا میں الف لام استغراق کا ہے۔یعنی ہر طرح کا سود حرام ہے' جس معاملے پر بھی ربا کا اطلاق ہوگا وہ سود ہے۔علامہ آلوسی نے فرمایا:

''یہ آیت ہر ربا اور ہر بیع کے لیے ہے' اِلّا یہ کہ کسی ربا کو خاص کرنے کی دلیل مل جائے''۔ (۳)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت مجمل ہے۔اس کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے۔لہٰذا صحیح احادیث سے ربا الفضل کی حرمت ثابت ہے۔

احادیث سے دلائل

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ)) (۴)

''سونا سونے کے بدلے' چاندی چاندی کے بدلے' گندم گندم کے بدلے' جو جو کے بدلے' کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر اور نقد و نقد ہوں۔ جب یہ اصناف مختلف ہوں تو پھر نقد کی صورت میں جیسے چاہو تجارت کرو۔''

اس حدیث طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشیاء میں کسی جنس کے باہمی تبادلے کی صورت میں برابر ہونے کی صراحت فرمائی۔مزید تاکید پیدا کرنے کے لیے الفاظ کو تکرار کے ساتھ استعمال کیا ہے۔مثلاً مثل کی ''سواءً بسواءٍ'' کے ساتھ تاکید فرمائی ہے۔کمی بیشی کی

اجازت مختلف اصناف کی صورت میں دی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان چھ چیزوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا:

((مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى اَلْآخِذُ وَالْمُعْطِي فِيْهِ سَوَاءٌ)) (۵)

''یہ چیزیں برابر برابر اور نقد ہوں' جس نے زیادہ دیا یا طلب کیا یقیناً اس نے سود لیا' لینے اور دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پوری طرح وضاحت فرمادی کہ ان ربویات میں زائد طلب کرنے والا اور ادا کرنے والا دونوں سودی ہیں۔ ربا الفضل کی حرمت کو ثابت کرنے والی احادیث مسلم کے علاوہ صحیح بخاری' سنن الترمذی' سنن النسائی' ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی موجود ہیں۔ منکرین حدیث اور متجددین سے جب ان احادیث کا کوئی جواب نہیں بن پاتا تو وہ احادیث کی صراحت کو بعد کے راویوں کا اضافہ قرار دے کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس دعویٰ کی دلیل چاہیے جو کسی کے پاس نہیں ہے۔ جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ صحیح اور مرفوع احادیث ربا الفضل کی حرمت میں نص ہیں۔ اس موقف سے انحراف کا شمار دین میں تحریف اور باطل تأویلات میں ہوگا' جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اجماع

ربا الفضل کے سود ہونے پر اُمت کا اجماع ہے۔

(۱) امام نووی نے فرمایا:

واجمعوا على انه لا يجوز بيع الربوی بجنسه واحدهما مؤجل' وانه لا يجوز التفاضل اذا بيع بجنسه والا كالذهب بالذهب (۶)

''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ربویات کا اپنی جنس میں ادھار اور اضافے کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں ہے' جیسا کہ سونے کو سونے کے بدلے''۔

(۲) امام قرطبی نے فرمایا:

اجمع العلماء على ان التمر بالتمر لا يجوز الا مثلا بمثل (۷)

''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کھجور کھجور کے بدلے صرف اس وقت جائز ہے جب

برابر برابر ہو اس کے علاوہ جائز نہیں''۔

یہ پہلے گروہ کے دلائل تھے جس کے مطابق ربا الفضل سود ہے۔ دوسرے قول کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف کی جاتی ہے کہ ربا الفضل سود نہیں' بلکہ سود صرف ربا النسیئہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ابتدا میں اس کے قائل تھے لیکن بعد میں انہوں نے اس قول سے رجوع فرمالیا۔ ابونضرہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے بیع الصرف کے بارے میں سوال کیا تو دونوں نے اس میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ پھر میں ابوسعید خدریؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو میں نے ان سے بیع الصرف کے بارے میں پوچھا تو فرمایا جو اضافہ ہوگا وہ سود ہے۔ میں نے ابن عباس اور ابن عمر کے قول کی بنیاد پر اس کا انکار کیا تو ابوسعید خدری نے فرمایا: میں تمہیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی بات بیان کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجوروں والے ایک صاحب عمدہ قسم کی ایک صاع کھجوریں لے کر آئے' نبی ﷺ کی کھجوریں دوسرے رنگ کی تھیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے جواب دیا میرے پاس دو صاع کھجوریں تھیں جن کے بدلے میں مَیں یہ ایک صاع خرید کر لایا ہوں' بازار میں اس کی قیمت یہ اور اس کی قیمت یہ تھی' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَيْلَكَ اَرْبَيْتَ' اِذَا اَرَدْتَ ذٰلِكَ فَبِعْ تَمْرَكَ بِسِلْعَةٍ ثُمَّ اشْتَرِ بِسِلْعَتِكَ اَىَّ تَمْرٍ شِئْتَ)) ''اللہ کے بندے تم نے سودی معاملہ کیا ہے' جب تم ایسا کرنا چاہو تو اپنی کھجوروں کو قیمت کے ساتھ بیچو پھر اپنی رقم کے ساتھ جو چاہو کھجور خریدو''۔ ابوسعید نے فرمایا کیا کھجور کے بدلے کھجور زیادہ سود بنتے ہیں یا چاندی کے بدلے چاندی؟ فرمایا پھر میں ابن عمر کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے منع کر دیا۔ میں ابن عباس کے پاس نہ آیا۔ پھر مجھے ابوالصہباء نے بتایا کہ میں نے مکہ میں ابن عباس سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے ناپسند کیا۔ (۸) اس میں عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ربا الفضل کو جائز قرار دینے والے قول سے رجوع کی دلیل ہے۔

اگر عبداللہ بن عباسؓ کا رجوع نہ بھی ثابت ہو پھر بھی بعد کے اجماع سے ان کا رجوع کرنا ثابت ہو جاتا ہے۔

ربا الفضل کے سود ہونے کی علت

ربا الفضل کی علت کا تعین اور اس کے اثرات ایک مستقل موضوع ہے۔ ہم تفصیل میں

جانے کے بجائے اختصار کے ساتھ صرف تعارف پیش کرتے ہیں۔ ربا الفضل کی علت کی تعیین کے بارے میں بنیادی طور پر علماء کے دو گروہ ہیں۔

(i) اہل ظاہر اور چند دیگر علماء کہتے ہیں کہ حدیث میں موجود صرف چھ اشیاء میں تفاضل کے ساتھ تبادلہ سود ہے' اس کے علاوہ سود نہیں ہے۔ اگر اس کا طعم (کھانا) یا موزون ہونا حرمت کی وجہ ہوتی تو شارع علیہ السلام صراحت فرما دیتے کہ **لا تبیعوا المکیل بالمکیل** ''تولنے والی چیز کو تولنے والی چیز کے عوض نہ بیچو''۔ لیکن آپؐ نے ایسا نہیں فرمایا۔ لہٰذا سود صرف ان چھ چیزوں تک محدود ہے۔[۹]

(ii) ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک سود ان چھ چیزوں میں بند نہیں بلکہ قیاس کے ذریعے دیگر ربویات کا علم حاصل کیا جائے گا۔

ان علماء کا پھر ربا الفضل کی علت کے تعین میں باہمی اختلاف ہے۔ مثال کے طور پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناپ' تول اور اتحادِ جنس علت ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ثمن ہونا اور خوراک ہونا علت ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک قیمتی مال (سونا' چاندی) اور ایسی چیزیں جن کا بقائے حیات سے تعلق ہے' علت ہے۔

علت کے مختلف ہونے کا اثر لامحالہ عملی مسائل پر پڑے گا اور لازماً کچھ ایسی چیزیں ہوں گی جو ایک امام کے نزدیک سود ہیں اور دوسرے کے نزدیک وہ سود نہیں۔ اس اختلاف کا یہ مطلب نہیں کہ ربا الفضل کا سود ہونا ہی سوالیہ نشان بن جاتا ہے اور اس سے دین کا مذاق اڑایا جائے۔ یا اسلاف وائمہ کرام کو تضحیک و استہزاء کا نشانہ بنا کر ان کی آراء کو بے وقعت قرار دیا جائے۔ اس اختلاف کا مطلب ہے کہ حدیث میں موجود چھ اشیاء اور وہ اشیاء جن کے سود ہونے پر تمام کا اتفاق ہے' ان کے تفاضل کے ساتھ تبادلے کے سود ہونے میں کوئی شک نہیں' یہ اتفاقی بات ہے۔ اور وہ اشیاء جو بعض کے نزدیک سودی اور بعض کے نزدیک غیر سودی ہیں اور یقیناً ایسی اشیاء بہت کم ہیں' مثلاً انڈے' کیلے وغیرہ' تو ان تمام اشیاء کا شمار مشکوک چیزوں میں ہوگا۔ اسی کے بارے میں حضرت عمرؓ کا قول ہے:

فَدَعُوا الرِّبَا وَالرِّيبَةَ

''سود اور مشکوک چیزوں کو چھوڑ دو''۔

ربا الفضل کی عملی صورتیں

ربا الفضل کا اطلاق تجارت میں بارٹر سسٹم پر ہوتا ہے۔یعنی اشیاء کا باہمی تبادلہ۔ اسی طریقہ کار سے تجارت کا آغاز ہوا اور آج تک تمام تر ترقی و جدیدیت کے باوجود یہ طریقہ جاری وساری ہے۔شریعت نے ربا الفضل کے بارے میں جو اصول دیے ہیں وہ قیامت تک کے لیے ہیں۔ انداز جو بھی ہو' اس میں تبدیلی آ سکتی ہے' لیکن ربا الفضل کے اصولوں کے اطلاق کے ساتھ ہی اس پر سود کا حکم لگایا جائے گا۔آج کل روٹین کی معمولی اشیاء کے علاوہ سونے چاندی اور کرنسی کے کاروبار میں سب سے زیادہ ربا الفضل پایا جاتا ہے۔

ایک ہی جنس کا تبادلہ کرتے وقت کمی بیشی کی جاتی ہے۔ ربا الفضل کی یہ صورت گھروں سے لے کر تجارتی سطح تک پھیلی ہوئی ہے۔

نئے اور پرانے زیورات کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح زیورات کی واپسی کے وقت کٹوتی بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔ایک ہی ملک کی کرنسی کی خرید وفروخت میں بھی یہ صورت پائی جاتی ہے۔اس طریقہ کا اس قدر رواج ہے کہ بس سٹاپ اور چوکوں میں لوگ نو روپے کے سکے دے کر دس روپے وصول کرتے ہیں۔

افراطِ زر کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے انڈیکسیشن کا طریقہ اختیار کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔اس سے یہ مسئلہ حل ہوتا ہے یا نہیں' اس سے قطع نظر علماء نے ادھار یا بیع المؤجل میں ہم جنس اشیاء میں تفاضل کے ساتھ لین دین کو بھی ربا الفضل ہی کی ایک صورت قرار دیا ہے۔ نامعلوم آئندہ وقتوں میں اس کی کون کون سی نئی صورتیں سامنے آئیں!

دورِ حاضر کے بعض دانش وروں کی طرف سے ربا الفضل کے حوالے سے ایک یہ اشکال بھی پیش کیا جاتا ہے کہ عملی زندگی میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کلو عمدہ کھجور کو ایک کلو معمولی کھجور کے عوض بیچ دیا جائے' کوئی احمق ہی ایسا کر سکتا ہے۔(۱۰) اچھی کھجور کو حاصل کرنے کے لیے معمولی کھجور لازمی طور پر زیادہ مقدار میں دینی پڑے گی۔

ہمارے خیال میں اس طریقہ کو احمقانہ کہنا ہی احمقانہ بات ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت اسلامیہ پر معترض عملی زندگی اور دنیا سے بالکل نابلد ہے۔سمجھانے کی خاطر صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔گڑ پرانا ہونے کے ساتھ اپنی رنگت اور ذائقہ کھو دیتا ہے۔اس کا استعمال کھانے کے لیے مناسب نہیں سمجھا جاتا لیکن یہی گڑ جانوروں کے لیے بطور علاج بھی استعمال ہوتا

ہے۔اب اگر یہ گڑ ایک کلو موجود ہو تو خریدنے والا کس قیمت پر خریدے گا؟ ظاہری بات ہے کہ بہترین گڑ کی قیمت تو کجا وہ اس سے کہیں زیادہ قیمت پر اس کو خریدنے کے لیے تیار ہو گا۔

آج کے جدید اکنامکس کے دور میں اس بات کو سمجھنا تو اور بھی آسان ہے۔آج کسی چیز کی قیمت کا تعین صرف اس کی عمدگی اور معمولی پن کی بنیاد پر ہی نہیں بلکہ اس کی طلب اور رسد کے اصول پر بھی کیا جاتا ہے۔کتنی ہی معمولی اشیاء کی قیمت طلب بڑھنے پر قیمتی اشیاء کے برابر بلکہ بسا اوقات ان سے بھی بڑھ جاتی ہیں۔

ربا الفضل کے حرام ہونے کی حکمتیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿٦٥﴾﴾ (النساء)

''آپ کے ربّ کی قسم! یہ لوگ اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو حاکم نہیں بنا لیتے' پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر دل میں تنگی بھی محسوس نہیں کرتے اور مکمل فرماں برداری کرتے ہیں۔''

اگر کسی ناقص انسانی عقل میں فرمانِ نبوی کی حکمت وعلت سمجھ میں نہیں آتی تو اس میں دین اور حدیث نبوی کا کیا قصور ہے؟ بلکہ ایمان ویقین کا تقاضا ہے کہ حکم نبویؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔یہی قرآنی تقاضا ہے' جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے۔تاہم پھر بھی ہم ربا الفضل کے حرام ہونے کی حکمتیں بیان کرتے ہیں۔

(۱) حدیث میں مذکور چھ اشیاء اور ان پر قیاس کی جانے والی اشیاء معاشرے میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔زندگی بسر کرنے میں لوگ ان پر انحصار کرتے ہیں۔ان اشیاء میں باہمی تبادلے کا بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہے۔اگر کوئی ایک ہی جنس کی اسی جنس سے تبدیلی چاہتا ہے تو یہ صرف فضول خرچی کی غرض سے ہو سکتا ہے۔کیونکہ ایک جنس کی مختلف اقسام سے ایک ہی فائدہ ہو سکتا ہے۔یہ اسراف شریعت میں ناپسندیدہ ہے' اس لیے اس سے بچانے کے لیے ان اشیاء میں باہم تبادلے کے وقت مثل کی شرط لگا دی گئی ہے۔

(۲) لوگوں کے اموال کی حفاظت کے لیے انہیں کسی قسم کے دھوکے اور فراڈ سے محفوظ رکھنا مقصود ہے۔عمدہ اور ہلکی چیز کو ایک دوسرے کے ساتھ تبدیل کرتے وقت ان کی قیمت کے

اعتبار سے ان کی پوری پوری مقدار کا درست اندازہ لگانا مشکل ہے۔اس لیے حکم دیا گیا کہ پہلے رائج کرنسی کے ساتھ ایک کو بیچو جس سے اس کی صحیح مارکیٹ کے مطابق قیمت مل جائے گی' اب اس قیمت سے دوسری چیز خریدلو' تا کہ معاملہ بالکل شفاف طریقے سے مکمل ہو جائے۔اس حکمت کو ربا الفضل کے جواز کے قائلین بھی تسلیم کرتے ہیں۔(ماہنامہ اشراق' فروری ۲۰۰۷ء' ص ۳۲)

(۳) ربا الفضل کا معاملہ بڑھتے بڑھتے ربا النسیئہ تک لے جاتا ہے۔ ربا النسیئہ سے بچانے کے لیے سدّ ذریعہ کے طور پر ربا الفضل کو بھی حرام قرار دے دیا گیا۔

دور حاضر کے بعض دانشور ربا الفضل کو سود نہیں سمجھتے۔ وہ اس کی حرمت کے قائل نہیں۔ اب ہم ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں:

ربا الفضل کی حلت کے قائلین کے دلائل:

یہ لوگ قرآن مجید کی اس آیت کو دلیل بناتے ہیں:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (آل عمران:۲۷۵)

''اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے''۔

یہاں الربا میں ال عھدی ہے اور اس سے مراد وہ ربا ہے جو جاہلیت میں لیا جاتا تھا اور وہ ربا النسیئہ ہے۔قرآن میں اسی ربا کا تذکرہ آیا ہے۔یہی قرآنی ربا ہے جس کو حرام قرار دیا گیا' جبکہ ربا الفضل سود نہیں۔(اشراق' فروری ۲۰۰۷' ص ۳۶)

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ہاں جو ربا معروف تھا اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کو کچھ مال ایک معینہ مدت کے لیے بطور قرض دیتا اور اس پر شرط عائد کرتا کہ مدیون ہر مہینہ دائن (قرض دینے والے) کو ایک مقرر مقدار دے گا اور رأس المال مدیون کے ذمہ باقی رہتا۔ جب قرض کی ادائیگی کا وقت گزر جاتا تو دائن رأس المال کو اس سے طلب کرتا۔ اگر وہ ادائیگی نہ کر سکتا تو دائن میعاد اور رأس المال دونوں میں اضافہ کر دیتا اور حسب سابق ہر مہینے معین مقدار وصول کرتا۔اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا۔[۱۱]

عربوں کے ہاں سود کی دوسری صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کو ایک مقررہ مدت کے لیے سود دیتا' جب مدت ختم ہو جاتی تو قرض خواہ قرض دار سے کہتا کہ تم قرض ادا کرو گے یا اس میں اضافہ منظور ہے؟ اگر وہ قرض ادا کرتا تو معاملہ ختم ہو جاتا ورنہ دائن اپنے رأس المال میں اضافہ کر دیتا اور مہلت بڑھا دیتا[۱۲]۔ ہمارے ہاں یہ طریقہ قرضہ ری شیڈول کرنے کے نام

سے معروف ہے۔

یقیناً یہ طریقے عرب میں رائج تھے۔ قرآن نے ان طریقوں کو حرام قرار دیا لیکن ان کو سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت کے ساتھ حرام نہیں کیا گیا۔ ان کی حرمت کی دلیل سورۂ آل عمران کی یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ (آل عمران: ۱۳۰)

''اے ایمان والو! سود کو بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ۔''

یہ آیت جو سورۃ البقرۃ کی آیت سے پہلے نازل ہوئی' اس کے ذریعے عربوں میں رائج سود کے طریقوں کو پہلے ہی حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ رہی سورۃ البقرۃ کی آیت جو نازل ہونے والی آخری آیات میں سے ہے' تو اس کے ذریعے سود کی دیگر تمام صورتیں بھی حرام قرار دے دی گئی ہیں جن میں ربا الفضل بھی شامل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اِنَّ آخِرَ مَا نَزَلَتْ آيَةُ الرِّبَا وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبَا وَالرِّيبَةَ (۱۳)

''آخری نازل ہونے والی آیات میں سے آیت ربا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی وضاحت کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئے لہٰذا تم سود اور شک کو چھوڑ دو''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے عرب میں رائج سود کی حرمت واضح تھی۔ وہ تو اس کے علاوہ دیگر اقسام اور صورتوں کی مزید وضاحت چاہتے تھے' پھر خود ہی فرما دیا کہ واضح سود اور سود کا شائبہ رکھنے والی مشکوک چیزوں کو چھوڑ دو۔

ربا الفضل کے عدم سود ہونے کی دوسری بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ جن احادیث میں ربا الفضل کا تذکرہ ہے ان میں نہی حرمت کے لیے نہیں بلکہ کراہت کے لیے ہے' لہٰذا ربا الفضل کو مکروہ تو کہہ سکتے ہیں حرام یا سود نہیں۔ دیگر احادیث سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔

بخاری میں حضرت اسامہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا رِبًا اِلَّا فِي النَّسِيئَةِ)) (۱۴)

''ادھار کے علاوہ ربا میں سود نہیں ہے۔''

اسی طرح مسلم کی روایت میں ہے:

((اِنَّمَا الرِّبَا فِی النَّسِیئَۃِ)) (۱۵)

''سود تو صرف ادھار میں ہے۔''

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((لَا رِبًا فِیمَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ))

''نقد معاملے میں سود نہیں ہے''۔

ان احادیث کا صحیح مقام و مفہوم متعین کرنے کی ضرورت ہے اور یہ احادیث وضاحت کی محتاج ہیں۔ دیگر دلائل کو نظر انداز کر کے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کرنا درست نہیں ہے۔

واضح' صریح' مشہور احادیث سے ربا الفضل کا سود ہونا ثابت ہے۔ ان احادیث کے مقابلے میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مختلف جنس کی چیزوں میں کمی بیشی کو درست قرار دیا اور ان میں سود صرف اس وقت ہوگا جب معاملہ ادھار کا ہو۔ لہٰذا یہ جواز کی احادیث مختلف اجناس کے بارے میں ہیں نہ کہ ایک جنس کی کمی بیشی کے ساتھ تبادلے کے بارے میں۔ اگر ایک جنس برابر سرابر ہو تو نقد درست ہے اور ادھار ناجائز ہے' یا پھر یہ اصول غیر ربویات اشیاء کے بارے میں ہے۔

رہی بات کلمہ حصر کی تو یہ حصر اضافی ہے حقیقی حصر نہیں ہے۔ کلامِ عرب میں اس کا استعمال معروف ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے:

لا عالم فی البلد الا زید

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شہر میں زید جیسا کوئی عالم نہیں ہے۔ کمال کی نفی ہے ذات کی نفی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ ربا النسیۂ جو بڑا سود ہے تمام اموال میں ہر وقت پایا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ربا الفضل ہے جو نادر ہے۔ یہ بھی سود ہی ہے' سود سے خارج نہیں۔

ان احادیث کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہ منسوخ ہیں۔ ان کے ترکِ عمل پر اُمت کا اتفاق ہے۔ علماء کا ان پر عمل نہ کرنے پر اجماع کر لینا ہی ان کے منسوخ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں ترجیح کے اصولوں کے مطابق حرمت ربا الفضل کی احادیث کو ترجیح حاصل ہے۔

ربا الفضل کو عدم سود ٹھہرانے کے لیے احادیث میں وارد نہی کو کراہت پر محمول کر کے

اسے حرام کی بجائے مکروہ کہا جاتا ہے۔ عربی میں اس اصول کے مستعمل ہونے کی وجہ سے اس بات کا احتمال تھا' جیسا کہ امیر معاویہؓ بھی یہی سمجھے' لیکن ان کے سامنے حدیث کی صراحت آ گئی تو حقیقت حال ان پر کھل گئی۔ امیر معاویہؓ نے سونے یا چاندی کا برتن اس کے وزن سے زیادہ مقدار کے عوض میں بیچا تو ابودرداءؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے منع فرماتے ہوئے سنا الاّ یہ کہ برابر برابر ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتا۔ ابودرداءؓ کہنے لگے: من یعذرنی من معاویۃ۔ ''مجھے معاویہ سے کون بچائے گا؟'' میں اسے رسول اللہ ﷺ کی بات بتاتا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتاتا ہے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے آئے اور اس واقعہ کی خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

الا تبع ذلك الا مثلا بمثل ووزنا بوزن (۱۶)

''اس طرح فروخت نہ کرو بلکہ برابر برابر ہم وزن میں فروخت کرو''۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی مخالفت نہ کی تھی بلکہ وہ اس نہی کو کراہت پر محمول کر رہے تھے۔ اور اسی لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول نہیں کیا بلکہ صحیح مسئلہ کی وضاحت فرما دی۔

صحیح بخاری میں ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ بلالؓ برنی کھجوریں رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ آپؐ نے پوچھا: ''کہاں سے لائے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: میرے پاس ردی کھجوریں تھیں' اس کے دو صاع دے کر یہ ایک صاع آپ کے کھانے کے لیے لایا ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو عین سود ہے' ایسے نہ کرو۔ جب تم نے ایسا کرنا ہو تو پہلے اپنی کھجور کسی دوسرے کو بیچو پھر اس سے کھجور خریدو''۔ (۱۷)

اس حدیث کے بعد ربا الفضل کے سود ہونے میں کسی قسم کا کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ رسول اللہ ﷺ پوری صراحت کے ساتھ اور سخت انداز میں تنبیہ فرما رہے ہیں کہ یہ تو عین الرباء یعنی خالص سود ہے۔

حواشی

(۱) بدایۃ المجتہد' ج۲' ص ۱۲۹۔ المغنی' ج۴' ص۱

(۲) المغنی' ج۴' ص ۱' بدایۃ المجتہد۔

(۳) روح المعانی' ج۳' ص ۵۰

(٤) صحیح مسلم' کتاب المساقاۃ' باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا۔
(٥) صحیح مسلم' کتاب المساقاۃ' باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا۔
(٦) شرح النووی علی صحیح مسلم ' ج ١١' ص ٩۔
(٧) الجامع لأحکام القرآن' ج٣' ص ٣٥٢۔
(٨) صحیح مسلم' بشرح النووی' ج ١١' ص ٢٤۔
(٩) اعلام الموقعین' ج ١' ص ٢٦١۔
(١٠) اشراق فروری ٢٠٠٧' ص ٣١۔
(١١) تفسیر کبیر' ج٧' ص ٨٥۔
(١٢) موطا امام مالک' کتاب البیوع' باب ما جاء فی الربا فی الدین۔
(١٣) سنن ابن ماجہ' کتاب التجارات' باب التغلیظ فی الربا۔
(١٤) صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب بیع الدینار بالدینار نساء۔
(١٥) صحیح مسلم' کتاب المساقاۃ' باب بیع الطعام مثلا بمثل۔
(١٦) صحیح مسلم' بشرح النووی' ج ١١' ص ١٢۔ جامع الاصول' ج ١' ص ٤٦٨۔
(١٧) صحیح البخاری' کتاب الوکالۃ' باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا فبیعہ مردود' رقم ٢١٤٥۔

بقیہ: ترجمۂ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح

قَالَ : کہا — اِبْرٰھٖمُ : ابراہیمؑ نے
فَاِنَّ : (اچھا تو) پھر یقیناً — اللّٰہَ : اللہ
یَاْتِیْ : لاتا ہے — بِالشَّمْسِ : سورج کو
مِنَ الْمَشْرِقِ : مشرق سے — فَاْتِ : پس تو لا
بِھَا : اس کو — مِنَ الْمَغْرِبِ : مغرب سے
فَبُھِتَ : پس (اس طرح) ششدر رہ گیا — الَّذِیْ : وہ جس نے
کَفَرَ : انکار کیا — وَاللّٰہُ : اور اللہ
لَا یَھْدِی : ہدایت نہیں دیتا — الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ : ظالم قوم کو

نوٹ: استاذِ محترم حافظ احمد یار صاحب ؒ نے نشاندہی کی ہے کہ لفظ ابراہیم سورۃ البقرۃ میں ''ی'' کے بغیر یعنی ''اِبْرٰھٖم'' لکھا گیا ہے' جبکہ باقی قرآن مجید میں اسے ''ی'' کے ساتھ یعنی ''اِبْرٰھِیْم'' لکھا گیا ہے۔

اسالیب تفسیر قرآن اور نظم و مناسبات

جواد حیدر ☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

قرآن مجید کی تفسیر اور اس کے معانی و مفاہیم کو واضح کرنے کے سلسلے کا آغاز اُسی وقت ہو گیا تھا جب اللہ ربّ العزت نے آخری پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ پر یہ قرآن نازل فرمانا شروع کیا۔ قرآن کریم کی تبیین و تفسیر کی ابتدائی اور حتمی صورتیں یہ تھیں:

(۱) اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے الفاظ نازل فرماتا اور ساتھ اس کے معانی بھی اپنے نبیؐ پر وحی کر دیتا اور آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے صحابہؓ تک پہنچا دیتے۔

(۲) اللہ ربّ العزت کی جانب سے نبی اکرم ﷺ پر الفاظِ قرآنی نازل فرمائے جاتے اور نبی اکرم ﷺ اُن کو سمجھ لیتے اور اُن پر عمل شروع کر دیتے۔ جو بات سمجھی جاتی اس پر مزید وحی نہ اترتی تو جان لیا جاتا کہ یہی مرادِ الٰہی ہے۔ گویا یہ تقریراً وحیٔ الٰہی بن جاتی۔ اور اگر اس کی تفہیم میں کوئی دقت ہوتی یا کوئی تفصیل طلب بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اور وحی اُتار دیتے' ورنہ نبی اکرم ﷺ اسی پر عمل کرتے اور صحابہ کو اسی کی تعلیم دیتے اور صحابہ نبی اکرم ﷺ کے انہی سمجھے گئے معانی و مفاہیم کو آگے نقل کر دیتے۔

(۳) قرآن مجید نبی اکرم ﷺ پر اترتا جو عموماً آپؐ اور آپ کے صحابہؓ کے حالات کے موافق راہنمائی ہوتی۔ یعنی کوئی ایسی صورت حال پیش آتی یا ایسا واقعہ رونما ہوتا جو وحیٔ الٰہی کا محتاج ہوتا تو اللہ ربّ العزت اس موقع پر وحی اتار دیتے اور یہی سب سے بڑی حکمت تھی قرآن مجید کو تیئیس سال کے طویل عرصے میں اتارنے کی کہ موقع بہ موقع قرآن کو اتارا جائے' ورنہ اسے تورات کی طرح یکبارگی بھی اتارا جا سکتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے جو کچھ سمجھتے اس پر عمل کرتے اور اس کو آگے نقل کر دیتے۔ مزید یہ کہ یہ امر ناممکنات میں سے ہے کہ دورِ نبوت

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

ہی میں قرآن مجید کی غلط تبیین وتفسیر کی گئی ہو اور اس پر اللہ ربّ العزت نے خاموشی بھی اختیار فرمائی ہو۔ جو شخص بھی ایسا سمجھتا ہے صریح غلطی پر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ان سمجھے گئے معانی و مفاہیم کے ساتھ قرآن آگے نقل کیا گیا یا محض الفاظ ہی آئندہ نسلوں تک منتقل کیے گئے؟

اس بات پر ساری اُمت کا اجماع ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ مع مفاہیم و مراد آگے نقل کیے گئے' وہ مفاہیم جو نبی مکرم ﷺ پر اتارے گئے یا نبی اکرم ﷺ نے خود سمجھے یا صحابہ کرامؓ نے دورِ نبوت میں سمجھے اور ان پر تقریراً اصابت کی مہر لگ گئی۔ یہ تینوں صورتیں چونکہ صراحتاً یا تقریراً وحی ہیں اس لیے ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ تینوں شکلیں بر بنائے وحیٔ الٰہی محفوظ ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وحیٔ الٰہی ختم کر دی گئی ہو' یا قیامت تک آنے والے افراد سے اوجھل کر دی گئی ہو۔ ساری کی ساری وحی نقل ہوئی ہے اور کوئی شیطانی قوت اسے دورِ آخر تک پہنچانے میں رکاوٹ نہ بن سکی ہے اور نہ بن سکے گی (ان شاء اللہ)' اس لیے ہمارا کہنا ہے کہ دورِ نبوت کے بعد تفسیرِ قرآن میں صحابی کے اجتہادی قول کے علاوہ صحابی کا صحیح سند سے ثابت شدہ ہر قول اور ہر مقبول حدیث نبویؐ محفوظ ہے اور قرآن مجید کی اوّلین تفسیر ہے۔

وہ شخص قرآن مجید پر بڑا ہی ظلم کرتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ قرآن مجید اُمت تک بغیر مفہوم و مراد کے پہنچا دیا گیا اور اُمت اس کے جملہ مفاہیم خود سمجھنے کی محتاج ہے۔ اور یہ کہ قرآن مجید کی تفہیم میں نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کے سمجھے گئے معانی و مفاہیم پر ہماری سمجھ برتر حیثیت رکھتی ہے (نعوذ باللہ من ذلک)۔ اور دوسری بڑی بات یہ گمان باطل ہے کہ یہ وحی (نعوذ باللہ) غیر محفوظ ہے۔ کاش یہ خیال کرنے والے لوگ اس بات کو سمجھیں کہ قرآن مجید سے ہمارے سمجھے گئے مفاہیم و معانی اصل ''میزان'' نہیں ہو سکتے' بلکہ دورِ نبوت میں اترنے والی وحی ہی اصل ''میزان'' ہے' جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ ربّ العزت نے خود لے رکھی ہے اور ایسے اسباب مہیا کر دیے ہیں کہ یہ وحی قیامت تک محفوظ کر دی گئی ہے۔

ہمارے موقف کو چند نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے:

☆ قرآن مجید اُمت کو ایسے ہی نہیں تھما دیا گیا کہ ہر شخص اپنی عقل اور اپنی سمجھ کے مطابق اس کے مفہوم و مراد بناتا پھرے' بلکہ قرآن مجید کے معانی' اس کی مراد اور اس کے مفاہیم بھی اُمت تک پہنچائے گئے ہیں۔

☆ جس طرح قرآن مجید کے الفاظ محفوظ ہیں بعینہٖ اس کے مفاہیم بھی محفوظ ہیں جو متکلم کی حقیقی مراد ہیں۔

☆ اگر اس کے مفاہیم و مراد کو غیر محفوظ سمجھا جائے تو قرآن مجید معجزہ نہیں رہتا۔

☆ نبی مکرم ﷺ نے جہاں اس کے الفاظ پہنچائے ہیں وہیں اس کے معانی و مطالب اور مراد بھی اپنی اُمت کو سمجھائی ہے۔

☆ صحابہ کرام ﷢ قرآن مجید کے اوّلین مخاطب تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن صحابہؓ کو سمجھ نہیں آیا تو لازم آتا ہے کہ قرآن مجید بلیغ کلام نہیں ہے۔

☆ صحابہؓ نے دورِ نبوت میں قرآن مجید سے جو سمجھا اس کے غلط ہونے پر وحی نہیں اتری تو قرآن مجید کے یہ معانی حتمی ہو گئے' کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ دورِ نبوت ہی میں قرآن غلط سمجھا جانے لگا ہو۔

☆ صحابہؓ چونکہ سبھی عادل ہیں' نیز نبی مکرم ﷺ کے تربیت یافتہ ہیں' اس لیے دورِ نبوت کے بعد بھی ان کی طرف سے بیان کیے گئے قرآن مجید کے معانی لائق حجت ہیں' اِلّا یہ کہ اُن کا تعلق صحابہؓ کے اجتہاد سے ہو' کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر میں صحابہ کے اجتہادات کا مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ آیا وہ قابل حجت ہیں یا نہیں؟

چونکہ قرآن حکیم صحابہ کے حالات اور ان کو پیش آمدہ ضروریات کے مطابق اُترا کرتا تھا اس لیے صحابہ ان کے معانی اور آیات کی مکمل تفصیل بخوبی سمجھتے تھے۔ اور اِن صحابہؓ کے حالات کو سمجھنے والے تابعین کرامؒ ہیں' لہٰذا تفسیر میں ان کا قول بھی معتبر حیثیت رکھتا ہے' بالخصوص مجاہد' عطاء' عکرمہ' طاؤس' سعید بن جبیر ﷭ جیسے بزرگ علم التفسیر میں ایک خاص ملکہ رکھتے ہیں۔

یہ دائرہ کار ہے قرآن مجید کی تفسیر بالمنقول کا۔ اور یہی قرآن مجید کی تفسیر کے داخلی وسائل ہیں کہ متکلم یا تو اپنے کلام کے معانی خود بتلا دے یا اس کے سامنے کوئی اس کے کلام کے معانی بتلائے اور وہ خاموش رہے۔

پھر اس کی روایت کا مرحلہ ہے اور اس بارے میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بات کی حفاظت میں جو معیار محدثین نے مقرر کیے ہیں ان سے بڑھ کر اور کوئی معیار پیش کیا ہی نہیں جا سکتا۔ مزید برآں حدیث نبویؐ یا قول صحابی (ذاتی استدلال کے علاوہ) صریحاً یا تقریراً وحی ہونے کی وجہ سے بھی محفوظ ہیں۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ محدثین کے معیارات کی بنا پر صحیح احادیث کی

جانچ پڑتال کر دی گئی ہے باوجود یکہ ایک کثیر تعداد ضعیف احادیث کی بھی موجود ہے۔ اس لیے تفسیر میں حدیث نبویؐ اور قول صحابیؓ کی حیثیت یقیناً اس سے بہت بڑھ کر ہے جو انسانی عقل کی ہے۔ لیکن چونکہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ)) (٣٤)

''علماء اس سے سیر نہ ہو سکیں گے' بار بار پڑھنے سے قرآن مجید سے اکتاہٹ نہ ہوگی اور نہ ہی اس کے عجائب ختم ہونے والے ہیں''۔

اس لیے لوگوں نے قرآن مجید سے خوب تسکین حاصل کی اور جہاں اس سے دلوں کو اطمینان ملا وہاں عقل نے بھی خوب لذت حاصل کی۔ لیکن اس کے معانی و مفاہیم کی تعیین میں علماء نے عقل کو بھی کھلا نہیں چھوڑ دیا کہ جو چاہے من مانی تأویل کرتا چلا جائے اور اپنے تئیں یہ سمجھے کہ وہ مفہوم جو میں نے سمجھا ہے مرادِ الٰہی ہے۔ مرادِ الٰہی کے تعین میں معیار وہی ہے جس کا تذکرہ ہم کر چکے۔ باقی سب کچھ علماء کی نکتہ آفرینیاں ہیں۔

اس حوالے سے امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''علم تفسیر کا مدار یا تو صحیح روایت پر منحصر ہے یا پھر محققانہ استدلال پر''۔ (٣٥)

انسانی جہد اور عقل سے کشید کی گئی تفسیر کے علاوہ صحیح روایات سے حاصل ہونے والی تفسیر ''نقل صحیح'' کہلاتی ہے اور عقل سلیم کے ذریعے انسانی جہد و کاوش پر مشتمل تفسیر ''محققانہ استدلال''۔ علماء کے ہاں اسی کو تفسیر اور تأویل کے فرق سے بھی جانا جاتا ہے۔

امام سیوطیؒ نے ابونصر القشیریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:

التفسير مقصور على الاتباع والسماع والاستنباط مما يتعلق بالتاويل (٣٦)

''تفسیر کا انحصار (منقولات کے) سماع اور اتباع پر ہے' جبکہ استنباط کا تعلق تاویل سے ہے''۔

اسی طرح ایک اور قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ما وقع مبينا فى كتاب الله ومعينا فى صحيح السند سمى التفسير الآن معناه قد ظهر و وضح وليس لاحد ان يتعرض اليه باجتهاد ولا غيره بل يحمله على معنى الذى ورد لا يتعداه والتاويل ما استنبط

العلماء العاملون لمعانی الخطاب الماهرون فی آلات العلوم (۳۷)

''تفسیر صرف اسی کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا اور صحیح سند سے اس کا تعین ہو گیا۔ اس سے اس کا معنی کھل کر واضح ہو جاتا ہے اور کسی کے لائق یہ نہیں کہ اپنے اجتہاد یا کسی اور چیز کے بل بوتے پر اس سے اعراض برتے' بلکہ بغیر زیادتی کے اس کو اسی مقام پر رکھے جس بارے وہ وارد ہوئی۔ اور تاویل سے مراد وہ مسائل ہیں جو مختلف علوم وفنونِ اسلامیہ کے ماہر علماء نے الفاظِ قرآن کے مفہوم سے مستنبط کیے ہیں۔

ایک اور قول ذکر کیا ہے:

التفسیر یتعلق بالروایة والتاویل یتعلق بالدرایة (۳۸)

''تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تأویل کا تعلق درایت سے ہے۔''

اسی بات کو نئے اسلوب سے مزید واضح کرتے ہوئے برصغیر کے معروف عالم دین حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ نے ''درایت تفسیری'' اور ''درایت اجتہادی'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ درایت تفسیری کے بارے میں فرماتے ہیں:

- ''درایت تفسیری کلام کے ظاہری مطلب کو کہتے ہیں جس کو اہل زبان اپنے محاورہ میں بے تکلف سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہم اپنی بول چال میں ایک دوسرے کے مافی الضمیر پر بے تکلف آگاہ ہو جاتے ہیں اور اس کا مطلب سمجھنے سے کوئی چیز حائل نہیں ہوتی''۔ (۳۹)

روپڑی صاحب نے درایت تفسیری ہی میں تفسیر القرآن بالقرآن' بالحدیث اور باقوال الصحابہ والتابعین کا ذکر کیا ہے۔ (۴۰) اس سلسلے میں آپ نواب صدیق حسن خان کا قول نقل کرتے ہیں:

''صاحب قرآن کی تفسیر قرآن وحدیث سے ہاتھ نہ لگے تو پھر صحابہؓ کے اقوال سے لینا چاہیے' اس لیے کہ انہوں نے احوال وقرائن اس وقت کے دیکھے بھالے ہیں' وہ قرآن کے نزول کے وقت حاضر وموجود تھے' فہم تام' علم صحیح' عمل صالح رکھتے تھے۔ یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر بیان کریں اور انہوں نے رسول خدا سے اس کو سنا نہ ہو۔ یہ بھی اگر مانا جائے کہ انہوں نے نہیں سنا تو بھی وہ ان عربوں میں سے ہیں جو لغت عرب کے تل تل سے واقف تھے' بال کی کھال نکالتے تھے۔ خصوصاً جو اُن میں بڑے

عالم تھے‘ جیسے چاروں خلفاء اور ابن مسعود و ابن عباس‘‘۔(۴۱)

اور درایت اجتہادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’درایت اجتہادی استنباط کو کہتے ہیں جیسے فحوائے کلام سے کسی مطلب پر مطلع ہو جانا یا دو تین باتوں کو ملا کر ان سے ایک نتیجہ نکالنا یا باعث کلام یا مقتضی حال یا وضع متکلم کو دیکھ کر کوئی بات استخراج کرنا وغیرہ وغیرہ۔ الغرض عبارت کے سرسری مطالب کے علاوہ جتنے معانی ہیں سب درایت اجتہادی میں داخل ہیں‘‘۔(۴۲)

عقل سلیم اس بات کو بخوبی سمجھتی ہے کہ کلام کا ایک مفہوم وہ ہے جو متکلم خود بتائے یا کلام کے وہ ظاہر و باہر مطالب ہیں جنہیں مخاطب بآسانی سمجھ لیتا ہے اور متکلم بھی جانتا ہوتا ہے کہ یہ ایسی بات ہے جو سب کو سمجھ آ سکتی ہے۔ کلام کے ان سرسری مفاہیم کے علاوہ گہرائی میں جا کر انسانی عقل کا استعمال کرتے ہوئے مفاہیم اخذ کرنا درایت اجتہادی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ اجتہاد درست بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ نیز طبائع و عقول مختلف ہونے کی بنا پر ایسے مقامات پر اختلاف ایک فطری امر ہے‘ جیسا کہ اس میدان میں قدم رکھنے والوں کی اپنی تحریروں میں بھی نظر آتا ہے۔

قرآن حکیم کی تفسیر کے حوالے سے امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

’’ہمارے خیال میں جو شخص صحابہ یا تابعین کے اقوال سے علیحدہ کوئی صورت اختیار کرے گا وہ بدعتی ہے‘ اگرچہ یہ اصول ہی کیوں نہ ہو کہ مجتہد سے اگر لغزش ہو تو قابل درگزر ہے‘‘۔(۴۳)

صحابہ و تابعین کے اقوال کے حوالے سے علمائے سلف کا یہ موقف ہے تو قابل غور بات یہ ہے کہ ان تفاسیر کا کیا مقام ہے جن میں اس بات کا بطور خاص التزام کیا گیا ہو کہ ان میں تفسیری روایات و احادیث سے یکسر پہلوتہی کی جائے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اس اصول کو بناءِ تفسیر کہا جائے کہ ’’حدیثِ رسولؐ کی حیثیت خارجی وسائل کی ہے‘‘۔ ہماری نگاہ میں ایسی تفاسیر تمام تر ظاہری خوبیوں کے باوصف متذکرہ بالا فتویٰ ہی کے ذیل میں آئیں گی۔

رہا یہ سوال کہ تفسیر قرآن میں نظم قرآن کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس سوال کا جواب تفصیل کا متقاضی ہے۔ کیونکہ نظم قرآن کی بھی کئی اقسام ہیں جن پر مفصل گفتگو پچھلے شمارے میں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ استدلال کے حوالے سے اجمالاً نظم کی دو ہی قسمیں ہیں:

(۱) ایسا نظم جو کلام کا حصہ ہے اور اپنے اندر ایسا سادہ مفہوم رکھتا ہے جس پر عامی شخص بھی

بآسانی مطلع ہو جاتا ہے۔ جیسے سبب و مسبب کا تعلق ہے یا تاکید و مؤکد کا' بدل و مبدل کا ربط ہے یا اجمال و تفسیر کا' یا دیگر کوئی بھی ایسا انداز جو کلام کا حصہ ہی ہو یا ظاہری طور پر آسانی سے سمجھ آ جائے اور اس میں اجتہادی کوششوں کا دخل نہ ہو تو اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ایسا کلام اور اس سے حاصل شدہ مفہوم لائق حجت اور قابل استدلال ہے۔ امام سیوطی ایسے کلام کے بارے فرماتے ہیں کہ: **لا کلام فیہ** (٤٤) یعنی ایسے کلام میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے' سب ہی اسے درست تسلیم کرتے ہیں' بلکہ ایسے ربط کو کلام کا حصہ ہی مانتے ہیں۔ ایسا نظم تو ہر کلام اور ہر تحریر میں ملتا ہے اس لیے اس پر کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

(۲) اختلاف نظم کی اس قسم میں ہوا ہے جس کے بارے نہ تو الہامی ہدایات موجود ہیں اور نہ ہی وہ کلام کا حصہ ہے' بلکہ دو مختلف چیزوں کو جوڑنے اور مختلف النوع اشیاء کو ملانے کی قبیل سے ہے۔ یعنی دو یا دو سے زیادہ ایسی اشیاء کہ بظاہر تو ان میں کوئی ربط و تعلق نظر نہیں آتا' لیکن ان کے بارے میں کوئی ایسا انداز اپنایا جائے یا کوئی ایسی بنیاد تلاش کی جائے جو ان مختلف اشیاء کو ایک آہنگ میں جوڑ دے۔ یہ تلاش چونکہ خالصتاً انسانی کوشش سے تعلق رکھتی ہے' یعنی تفسیر بالرائے کی قبیل سے ہے' تو اس کا مقام وہی سمجھا جائے گا جو تفسیر بالرائے کا ہے۔ اور اسے درج ذیل شرائط کے بعد قابل غور سمجھا جائے گا:

(۱) قرآنی تعلیمات کے موافق ہو' یعنی اس کی واضح نصوص کے مخالف نہ ہو۔

(۲) حدیث صحیح کے مخالف نہ ہو' یعنی جب کسی مسئلہ کے بارے میں حدیث نبویؐ آ جائے تو اسے چھوڑ کر اپنی عقل سے تلاش کیے گئے نظم کو اہمیت نہ دی جائے۔

(۳) اگر کسی آیت کریمہ کے مفہوم پر اجماع ہو تو اپنی کوشش کر کے نیا مفہوم پیش کرنا' چاہے وہ نظم سے حاصل کردہ ہو یا کسی اور اسلوب سے' بدعت و گمراہی کی دلدل میں قدم رکھنے کے مترادف ہے۔

(۴) کسی صحابی کے ایسے قول کے مخالف نہ ہو جس کا تعلق اس کے استدلال یا استنباط سے نہیں بلکہ مرفوع حکمی سے ہے۔

(۵) عربی لغت کے خلاف نہ ہو۔ تلاش کیا گیا ایسا نظم جو عربی قواعد و زبان کے موافق نہ ہو لائق اعتناء نہ جانا جائے گا۔

تفسیر بالرائے کی بنیادی شرائط تقریباً یہی ہیں اور یہی دائرہ کار ہے اُس نظمِ قرآن کا جو

نظم کی مؤخر الذکر قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ اَسلاف میں سے نظم کے حوالے سے جس کا بھی نام پیش کیا جاتا ہے وہ اس دائرے سے نہ نکلا اور نہ ہی اس نے ان حدود کو پار کرنے کی جسارت کی۔ کیونکہ مذکورہ بالا شرائط کے حصار کو توڑ کر نئی راہ پر چلنے والا منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا' اور اگر پہنچ بھی جائے تو اس کا اپنایا گیا طریقہ اور اس کی منتخب کی گئی راہ غلط ہونے کی وجہ سے نظر انداز کرنے کے لائق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قسم ثانی سے متعلق نظم قرآن کی راہ پر چلنا ایسی راہ اپنانا ہے جس کا انسان کو مکلف نہیں ٹھہرایا گیا۔ اور یہ محض رائے اور گمان سے کام لینا ہے جس کا التزام کم از کم قرآن مجید کے بارے میں جائز نہیں۔ نیز یہ کہ نظم قرآن تکلف و تصنع ہی ہے جو دین اسلام میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اور پھر اگر تفسیر قرآن اور فہم قرآن میں اصول کے طور پر اسے لازم قرار دیا جائے تو قرآن مجید بلیغ نہیں رہتا۔

تفسیر میں نظم قرآن کو لازم قرار دینے سے قرآن بلیغ نہیں رہتا

اس نکتے پر بات سے قبل ضروری ہے کہ ''بلاغت'' کو جانا جائے کہ اس سے کیا مُراد ہے۔ صاحب معجم الوسیط لکھتے ہیں کہ علمائے بلاغہ کے ہاں اس کی تعریف درج ذیل ہے:

مطابقة الكلام لمقتضى الحال مع فصاحته (٤٥)

''کلام کا فصاحت کے ساتھ مقتضی الحال کے موافق ہونا بلاغت ہے''۔

علامہ القزوینی لکھتے ہیں:

هی مطابقة الكلام لمقتضى الحال مع فصاحة الفاظه (٤٦)

''بلاغت کلام کا فصیح الفاظ کے ساتھ مقتضی الحال کے مطابق ہونا ہے''۔

اسی طرح دیگر تمام علماءِ بلاغت اس کلام کو بلیغ سمجھتے ہیں جو مقتضائے حال کے مطابق ہو' اور مقتضائے حال کے موافق ہونے سے مراد یہ ہے کہ حالات کے پیش نظر' مخاطب کی حیثیت کے مطابق کلام کیا جائے' جیسا کہ بعض روایات میں بھی آیا ہے کہ ہمیں لوگوں کے عقول کے مطابق کلام کا حکم دیا گیا ہے۔ اگرچہ الدیلمی وغیرہ کی ان روایات میں کلام ہے' لیکن بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث موجود ہے کہ:

((حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يُكَذَّبَ اللّٰهُ ورسولُه)) (٤٧)

''تم لوگوں سے اس انداز میں بات کیا کرو جس سے وہ واقف ہیں (ورنہ وہ غلط سمجھیں

گے)۔کیا تم پسند کرو گے کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے؟''

گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص جس صلاحیت کا مالک ہے اس سے اس کے مطابق کلام کیا جائے۔ اگر مخاطب عالم ہے تو اس سے اس کے معیار کا کلام کیا جائے' مخاطب جاہل ہے تو اس سے اس سادہ اور عامیانہ انداز میں بات کی جائے جسے وہ بآسانی سمجھ لے۔ بچے سے اس کی حیثیت کے مطابق بات کی جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو' یعنی مخاطب کی پہنچ سے بلند تر کلام کیا جائے' تو ایسے کلام کو غیر بلیغ کلام کہا جائے گا۔

ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی کلام بلیغ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس کی بلاغت اسی میں ہے کہ جہاں اس کے الفاظ فصیح ترین ہیں وہاں یہ اپنے مخاطبین کی عقول کے مطابق بات کرتا ہے' جسے مخاطبین بآسانی سمجھتے ہیں' اس کے مطالب و مفاہیم سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اور یہ ایسا کلام ہے جسے ہر سطح کا آدمی پڑھ کر اس کے معانی و مفاہیم سے آگاہ ہو کر اپنے لیے ہدایت کا سامان کر لیتا ہے' لیکن اگر اس کی تفہیم و تبیین کے لیے نظم قرآن کی شرط لگا دی جائے' جیسا کہ بعض لوگوں نے عائد کی ہے' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ قرآن عام لوگوں کی کتاب نہ رہے گی بلکہ صرف ان چند مٹھی بھر لوگوں کے لیے ہی رہ جائے گا جو نظم قرآن کے اسرار پا لینے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی تعداد پوری اسلامی تاریخ میں شاید درجن بھر بھی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ رویہ عام لوگوں کو قرآن مجید سے دور کرنے اور تقلیدی رویے کو فروغ دینے کے مترادف ہوگا۔

اس سلسلے میں ایک اور بات یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن مجید تیئیس سال کے طویل عرصے میں اُترا' جس کی تکمیل نبی مکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تک جاری رہی۔ اگر تفہیم و تفسیر قرآن میں نظم قرآن کی شرط لگا دی جا[illegible] کا ۔ یہ دورِ نبوت کے آخر تک' جب تک قرآن مجید مکمل نہ ہو گیا تھا' کسی کو سمجھ ہی نہ آیا اور نہ ہی کوئی اس کی تفسیر کر پایا' کیونکہ نظم تکمیل اور ترتیب کا متقاضی ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اگر قرآن مجید نزول کی تکمیل سے قبل صحابہ اور خود جناب نبی مکرم ﷺ کو سمجھ آتا تھا تو وہ یقیناً بغیر اُس نظم کے تھا جسے بلا ضرورت فہم قرآن کے لیے لازمی شے قرار دے دیا گیا ہے۔

نظم قرآن کی اس قسم کے لیے ماہرانہ ذہن درکار ہے جو لغت و ادب میں کمال رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک شاعر کی سی خوبیوں کا حامل ہو' جبکہ نبی مکرم ﷺ اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ

کرامؓ قرآن مجید کو تکلف کے بغیر سادہ انداز میں پڑھتے اور راہ ہدایت کا سامان کرتے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ﴿فَاكِهَةً وَّاَبًّا﴾ کا کیا معنی ہے؟ تو فرمانے لگے کہ ''ایّ سماء تظلنی وایّ الارض تقلنی ان انا قلتُ فی کتاب اللّٰہ ما لا اعلم'' یعنی کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کونسی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی اگر میں کتاب اللہ میں بغیر علم کے بات کروں؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر خاموشی اختیار فرمائی تھی کہ ''انّ ھذا ھو التکلف یا عمر'' کہ اے عمر یہی تو تکلف ہے! گویا وہ اسی بات کو پسند کرتے تھے جو انہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی اور قرآن مجید نے انہیں اُمی بتلایا ہے۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ قرآن مجید کو سمجھتے تھے لیکن تکلفات اور عقلی موشگافیوں سے بالا رہ کر۔ قرآن مجید کا فرمان ہے:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (الاعراف)

''تو تم اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے اَن پڑھ نبی پر ایمان لاؤ' (ایسا نبی) جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور تم اسی کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پالو۔''

اور فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة:۲)

''وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں کی طرف ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے' ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اُمی تھے اور آپ کی بعثت خصوصی بھی اُمیین کے لیے تھی۔ آپ ان کو قرآن' اس کے احکام اور حکمت بھری باتیں سکھاتے تھے' جیسا کہ متذکرہ بالا آیات میں ارشاد ہوا' اور اگر ادبی ولغوی اسالیب اور نظم کے دقیق رموز بھی سمجھاتے تو قرآن یقیناً اس کا بھی ذکر کرتا۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے قرآن مجید کا طرزِ بیان اور محاسن ایسے تھے کہ لبید' جس کے ایک شعر پر سبعہ معلقات کے مصنفین نے اسے سجدہ کیا' پکار اٹھا کہ کیا قرآن مجید آ جانے کے بعد بھی شاعری جاری رکھی جائے؟

الغرض' یہ بات درست ہے کہ نظم قرآن سے بہت سے نکات حاصل ہوتے ہیں' عقل تسکین پکڑتی ہے' معنی میں کشش بڑھتی ہے۔(۴۸) لیکن چونکہ نظم قرآن کا تعلق انسانی ذوق سے ہے اور ہر انسان کا ذوق دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اس لیے فہم قرآن میں نظم قرآن کو لازم قرار دینا اور اصول تفسیر میں سے ایک اصول سمجھنا قرآنی مفاہیم کو اختلاف و تضاد کی بھٹی میں جھونکنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میدان میں جس نے بھی قدم رکھا اپنی عقل کا محتاج رہا اور اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا رہا۔ یوں سوچنے کے انداز مختلف ہونے کی بنا پر نظم سے حاصل شدہ مفاہیم بھی مختلف رہے۔ چنانچہ ہمارا کہنا ہے کہ نظم قرآن کا درجہ محض لطائف اور ثانوی نکات تک محدود رکھا جائے۔ اگر اسے فہم قرآن کے لیے لازمی حیثیت دی جائے یا اصول بنا دیا جائے تو یہ عام مسلمانوں کو ربّ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم کرنے' نبی مکرم ﷺ' صحابہ اور اسلاف کی راہ سے ہٹنے اور اُمت میں نت نئے اختلافات پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔

حواشی

(۳۴) سنن الترمذی' کتاب فضل القرآن عن رسول اللہ ﷺ' حدیث ۲۸۳۱' باب ما جاء فی فضل القرآن۔

(۳۵) ابن تیمیہ : مقدمہ اصول تفسیر (مترجم)' ص ۳۳۔

(۳۶) سیوطی' جلال الدین عبدالرحمن: الاتقان فی علوم القرآن' الجز والثانی' ص ۱۷۳۔

(۳۷۔۳۸) ایضاً۔

(۳۹) روپڑی' عبداللہ محدث : رسالہ درایت تفسیری' ص ۱۳۔

(۴۰) دیکھئے ان کی کتاب رسالہ درایت تفسیری۔

(۴۱) ایضاً' ص ۱۵۔

(۴۲) ایضاً' ص ۱۲۔

(۴۳) ابن تیمیہ: مقدمہ اصول تفسیر (مترجم)' ص ۵۲۔

(۴۴) السیوطی' جلال الدین : البرھان فی علوم القرآن' ص ۱۰۸۔

(۴۵) المعجم الوسیط' بذیل مادہ بلغ۔

(۴۶) الایضاح فی علوم البلاغۃ' للقزوینی۔

(۴۷) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کراھیۃ ان لا یفھموا۔

(۴۸) فلاحی' عبید اللہ فھد : قرآن کریم میں نظم و مناسبت' ص ۱۸۔

☆☆☆

تعارف وتبصرۂ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : توحید اور شرک
مصنف : محمد خان منہاس، خلیل الرحمٰن چشتی
ضخامت : 208 صفحات ۔ قیمت :100 روپے
ملنے کا پتہ: ☆الفوز اکیڈمی E-11/4 اسلام آباد
☆ادارہ منشورات اسلامی، بالمقابل منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

الفوز اکیڈمی اسلام آباد درجن سے زیادہ اسلامی تعلیمات کے موضوعات پر معیاری کتابیں شائع کر چکی ہے، جو عوامی حلقوں اور اسلام پسند افراد میں پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ الفوز اکیڈمی قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے کے مشن پر رواں دواں ہے۔

زیر تبصرہ کتاب توحید اور شرک کی مختلف اقسام کی وضاحت کرنے والی ایک جامع اور مستند کتاب ہے۔ اسلام دین توحید ہے۔ تمام انبیاء و رسل کی اوّلین پکار یہی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ شرک بدترین گناہ ہے، لیکن برا ہو شیطان کا کہ وہ توحیدِ خالص کی تفہیم سے انسان کو دور رکھنے کی کوشش کرتا اور شرکیہ امور کو مزین کر کے دکھاتا ہے، حالانکہ قرآن مجید کے اندر توحید کی اہمیت روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح اور مبرہن ہے۔ اسی طرح شرک کی شناعت کو بیان کرتے ہوئے اسے ناقابل بخشش گناہ قرار دیا گیا ہے۔

کتاب ''توحید اور شرک'' سولہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں توحید کی اہمیت قرآنی آیات اور مستند احادیث کے ذریعے واضح کی گئی ہے۔ ہر باب کے اخیر میں اُس باب کا خلاصہ دیا گیا ہے جس کے پڑھنے سے مختصر طور پر پورے باب کی تعلیم ذہن میں تازہ ہو جاتی ہے۔ پھر چند

سوالات پوچھے گئے ہیں جن کے جوابات تھوڑی سی توجہ سے دیے جا سکتے ہیں۔

الغرض توحید کی حقانیت اور شرک کا بطلان قرآنی آیات کے ذریعے ذہن نشین کرانے کی یہ نہایت کامیاب کوشش ہے۔ جو شخص بھی تعصب اور ضد کی عینک اُتار کر قرآن وسنت کی روشنی میں توحید اور شرک کی حقیقت سمجھنے کا ارادہ رکھتا ہو اُس کے لیے یہ کتاب بہترین راہ نما ہے۔

(۲)

نام کتاب : قرآن وحدیث کی روشنی میں تعلیم و تربیت

مصنف : مفتی حافظ محمد حسام اللہ شریفی

ضخامت : 242 صفحات ۔ قیمت: الوقف للہ

ملنے کا پتہ: مرکزی انجمن سہروردیہ‘ F-137 سنٹرل ایونیو روڈ‘ S.I.T.E کراچی

مرکزی انجمن سہروردیہ کراچی علمی حلقوں میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ اس نے اسلامی تعلیمات پر مشتمل کئی معیاری کتب شائع کر کے ہدیتاً تقسیم کیں۔ زیر تبصرہ کتاب ’’قرآن و حدیث کی روشنی میں تعلیم و تربیت‘‘ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اولاد کی تربیت بڑا نازک اور اہم معاملہ ہے۔ اس میں کوتاہی بعض اوقات والدین کے لیے بڑے سنگین مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ مگر یہ مسئلہ جس قدر اہم ہے اُسی قدر نظر انداز شدہ (neglected) بھی ہے۔ آج کے دَور میں معاشی دوڑ دھوپ نے اس قدر شدت اختیار کر لی ہے کہ اکثر والدین اپنی اولاد کی تربیت کی ذمہ داری سے غفلت برت رہے ہیں۔ اس کتاب میں والدین اور اساتذہ کو اُن کے فرائض سے باخبر کیا گیا ہے اور اس کام کی اہمیت بھی واضح کی گئی ہے۔

مصنف نہ صرف مستند عالم دین ہیں بلکہ بچوں اور بڑوں کی نفسیات سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔ انہوں نے بڑے منطقی انداز میں بچوں کی تعلیم و تربیت میں والدین‘ مدرسے‘ ماحول اور حکومت کی ذمہ داریوں کو واضح کیا ہے اور مختلف تعلیمی نظریات کو بیان کر کے اسلامی نظریہ تعلیم کی جامعیت واضح کی ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں یہ کتاب والدین اور اساتذہ کے لیے بہترین گائیڈ ہے۔ مصنف کی یہ کاوش اس قابل ہے کہ ماں باپ‘ والدین اور سکول و کالج کے اساتذہ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں اور نئی نسل کی تعلیم و تربیت میں کماحقہٗ دلچسپی

لے کر اسے ملک وقوم کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنائیں۔ اگر اس کتاب کو اساتذہ کے تربیتی اداروں میں شاملِ نصاب کر لیا جائے تو اس سے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

(۳)

نام کتاب : تذکرۂ سہروردیہ
مصنف : مفتی حافظ محمد حسام اللہ شریفی
ضخامت : 128 صفحات۔
ملنے کا پتہ: مرکزی انجمن سہروردیہ‘ F-137 سنٹرل ایونیو روڈ‘ سائٹ کراچی

مفتی حافظ محمد حسام اللہ شریفی معروف عالم دین ہیں۔ اسلامی موضوعات پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب سلاسل تصوف میں سے ایک سلسلہ ''سہروردیہ'' کے بانی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے حالات پر مشتمل ہے۔ شیخ شہاب الدین چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ ان کا شجرۂ نسب امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ نے عربی اور فارسی میں کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں‘ جن میں عوارف المعارف اور رشف النصائح الایمانیہ زیادہ مشہور ہیں۔ عربی اور فارسی میں آپ نے اپنا منظوم کلام بھی چھوڑا ہے۔

تصوف میں دلچسپی رکھنے والے خصوصاً سلسلۂ سہروردیہ کے متعلقین کے لیے یہ معلومات افزا کتاب ہے۔

(۴)

نام کتاب : ایک آنکھ والا دجال
مصنف : ڈاکٹر گوہر مشتاق
ضخامت : 120 صفحات ۔ قیمت : 70 روپے
ملنے کا پتہ: ادارہ بتول‘ F-14 سید پلازہ‘ 30۔ فیروز پور روڈ‘ لاہور

ڈاکٹر گوہر مشتاق اعلیٰ تعلیم یافتہ‘ بالغ نظر اور دردِ دل رکھنے والے مسلمان ہیں۔ انہوں نے نیوجرسی ریاست کی رٹگرز (Rutgers) یونیورسٹی سے بایوفزیکل کیمسٹری میں ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی اور وہیں تدریس کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ بہترین کارکردگی کی بنا پر

انہیں Graduate Teaching Excellence Award ملا۔ بعدازاں معروف سکالرز سے مذہبی تعلیم حاصل کی۔ کئی تحقیقی نوعیت کی کتابوں کے مصنف ہیں۔

''ایک آنکھ والا دجال'' مصنف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ماہنامہ ''بتول'' میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کتاب میں وہ جدید ٹیکنالوجی کی بے پناہ ترقی کو دجالی فتنہ قرار دیتے ہیں۔ اسلامی ممالک کے عوام دھوکہ کھا رہے ہیں اور بے حیائی' عریانی اور فحاشی پھیلانے والے مغربی پروگرام اپنے گھروں کے اندر دیکھ دیکھ کر دجالی فتنہ میں مبتلا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مغربی تہذیب مسلمانوں کے اندر رواج پا رہی ہے اور وہ اپنی تہذیب سے بیگانہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے حیا سوز پروگرام' موسیقی' مخلوط تعلیم' والدین سے بےتعلقی انہیں بے لگام آزادی کی طرف لے جا رہی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کے اندر جذبۂ خیرخواہی کے تحت موجودہ حالات میں صحیح طرزِ عمل کی طرف راہنمائی کی ہے اور یہ وہی طرزِ عمل ہے جو قرآن وسنت سے ماخوذ اور فلاح کے لیے ضروری ہے۔ اگر اس طرزِ عمل کو اختیار نہ کیا جائے گا تو بے راہ روی انسان کی عاقبت کو خراب کر دے گی۔ کتاب کی تحریر تاثیر سے مملو ہے۔

(۵)

نام کتاب : زلزلہ' زخم اور زندگی

مصنف : ڈاکٹر آصف محمود جاہ

ضخامت: 144 صفحات ۔ قیمت: 150 روپے

ملنے کا پتہ: علم وعرفان پبلشرز' 34۔ اردو بازار لاہور

ڈاکٹر آصف محمود جاہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ تین سال تک میوہسپتال میں ملازمت کی۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا روزی کا وسیلہ کوئی اور ہو جائے تو وہ اپنی طبی قابلیت دُکھی انسانوں کے لیے وقف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی۔ وہ مقابلے کے امتحان میں بیٹھے' کامیاب ہوئے اور کسٹم ڈیپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ کلکٹر کسٹم تعینات ہو گئے۔ آج کل انٹیلی جنس ایڈیشنل ڈائریکٹر ہیں۔ وہ اپنے فرائض منصبی دیانت داری کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ دفتری اوقات کے علاوہ ان کا بیشتر وقت خدمت خلق میں گزرتا ہے۔ رات گئے تک کسٹم

ویلفیئر کلینک ستلج بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں مریضوں کو دیکھتے اور ادویات دیتے ہیں۔ اس فری کلینک میں بعض تشخیصی ٹیسٹوں کی سہولت بھی موجود ہے۔

۸/اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے نے شمالی علاقہ جات' بالاکوٹ اور آزاد کشمیر میں قیامت برپا کر دی۔ بارونق آبادیاں ملبے کا ڈھیر بن گئیں۔ ہزاروں لوگ موت کے منہ میں چلے گئے۔ باقی بچنے والوں کے پاس سر چھپانے کو چھت نہ تھی' ان میں بیشتر مریض اور اپاہج تھے۔ ڈاکٹر آصف محمود جاہ زلزلہ زدگان کی فوری ضروریات کی چیزیں اور ادویات لے کر اپنی ٹیم کے ساتھ دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں پہنچ گئے' جہاں انہوں نے سینکڑوں ضرورت مندوں کی مدد کی اور لاتعداد مریضوں کو طبی امداد بہم پہنچائی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے آفت زدہ علاقوں کا ایک نہیں کئی مرتبہ دورہ کیا۔

زیر تبصرہ کتاب میں ڈاکٹر صاحب کے درجن بھر مضامین شامل ہیں جن میں انہوں نے زلزلے کی تباہ کاریوں کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے' اور اُن مشکلات کا ذکر کیا ہے جو اُن کو زلزلہ زدگان تک پہنچنے اور ان کی امداد کرنے کے دوران پیش آئیں۔ زلزلہ زدگان کی امداد کے کام میں ڈاکٹر صاحب کی محنت اور مشقت کے بارے میں معروف کالم نگاروں نے اظہار خیال کیا اور اُن کی تحسین کی۔ اخبارات اور جرائد میں شائع ہونے والے مذکورہ کالم بھی کتاب میں شامل ہیں۔ کتاب کے اخیر میں ڈاکٹر صاحب کے تین انٹرویوز ہیں جن سے اُن کے حالات کی تفصیل ملتی ہے کہ کس طرح سے وہ ذمہ دار آفیسر کے طور پر فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کے کام میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی ہمت قابل داد ہے کہ وہ اس قدر مصروف ہونے کے باوجود اس کتاب کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں ''فیملی ہیلتھ'' اور ''ٹین ایج گائیڈ'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ توقع ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ بہت سے قارئین کے اندر دکھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ بیدار کر دے گا۔ اس طرح اس کتاب کی افادیت کے بھرپور اثرات ظاہر ہوں گے۔ کتاب میں آرٹ پیپر پر بارہ تصاویر بھی ہیں جو زلزلے کی تباہ کاریوں کے مختلف مناظر دکھا رہی ہیں۔ کتاب مجلد ہے۔ قیمت کچھ زیادہ ہے۔ ایسی مفید کتاب کی قیمت کم ہونی چاہیے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچ سکے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کا

رجوع الی القرآن کورس (پارٹ II)

اعلان برائے داخلہ

کورس کا نصاب

۱) مکمل ترجمۃ القرآن
۲) حدیث
۳) فقہ
۴) اصولِ تفسیر
۵) اصولِ حدیث
۶) اصولِ فقہ
۷) عقیدہ
۸) عربی زبان وادب
۹) عالم اسلام اور احیائی تحریکیں: ایک تاریخی اور تجزیاتی مطالعہ
۱۰) اضافی محاضرات

تدریس کا آغاز و دورانیہ :

اس کورس میں داخلے امسال 14 جون 2007ء تک جاری رہیں گے۔ 15/جون کو صبح 10 بجے داخلہ ٹیسٹ ہوگا۔ تدریس کا باقاعدہ آغاز ان شاء اللہ 18 جون 2007ء سے ہوگا اور اگلے سال مئی کے اواخر تک جاری رہے گا۔ کورس کا کل دورانیہ ایک سال ہے۔ طلبہ کی سہولت کو مدّنظر رکھتے ہوئے کورس کو دو مساوی حصوں (سمسٹرز) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر سمسٹر چھ ماہ کے دورانیے پر مشتمل ہے۔ ہفتے میں 5 دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

اھلیت : کورس میں داخلے کے لیے درج ذیل تعلیمی اہلیت (کم ازکم) لازمی ہے:

۱) بی اے/بی ایس سی یا مساوی ڈگری
۲) رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I)

رابطہ و پراسپکٹس: شعبہ تدریس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون:03-5869501، فیکس:5834000
ای میل:irts@tanzeem.org